کوفیوں کی نوکِ سنان کے بعد
خارجیوں کے دشنۂ قلم پر

کربلا کا مسافر

حاشیہ نشینانِ یزید
کی نقاب کشائی

علامہ مشتاق احمد نظامی
مدیر پاسبان الہ آباد

علامہ ارشد القادری
سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

مکتبہ نبویہ لاہور

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

کوفیوں کی نوکِ سنان کے بعد خارجیوں کے دشنۂ قلم پر

سبیل سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-C1

کربلا کا مسافر

مرتبہ

علامہ مشتاق احمد نظامی مدیر پاسبان الٰہ آباد

مقدمہ

علامہ ارشد القادری سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن۔ انگلینڈ

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

”کربلا کا مسافر“ ایک نظر میں

نام کتاب ——— کربلا کا مسافر

مرتبہ ——— علامہ مشتاق احمد نظامی مرحوم، ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان الہ آباد

مقدمہ ——— علامہ ارشد القادری مرحوم، ورلڈ اسلامک مشن بریڈفورڈ، برطانیہ

موضوع ——— شہداء کربلا کی جانبازیاں

سالِ تالیف ——— ۱۹۷۸ء

سالِ طباعت اول ——— ۱۹۸۰ء/ مطبوعہ لاہور

سالِ طباعت تازہ ——— ۲۰۰۶ء/ ۱۴۲۶ھ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

قیمت مجلد ——— ۱۲۵ روپے

ناشر

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

فون: 0300-4235658, 7213560

عنواناتِ کتاب

حاشیہ نشینانِ یزید کی نقاب کشائی	۵
غلط فہمیوں کا ازالہ	۲۱
دریائے فرات کی موجوں پہ دو شہزادوں کا مدفن	۲۷
تاراجِ کاروانِ سادات	۴۵
میدانِ کربلا سے گنبدِ خضرا تک	۴۵
نور کے دو ٹکڑے	۶۲
زمینِ کربلا کا خونی منظر	۷۳
زندۂ جاوید شہزادہ	۹۲
خلافت معاویہ و یزید عقل و نقل کے پیمانے میں	۹۷
خارجی نظریات حقائق کے اجالے میں	۱۰۹
خلافتِ علی عقائد کی روشنی میں	۱۲۰
ایک رسوائے عالم کتاب کا تحقیقی جائزہ	۱۲۸
خلافتِ معاویہ و یزید تحقیقی نظر میں	۱۳۹
فتنۂ خوارج	۱۷۸
یزید اور اس کا کردار	۱۸۶
خلافت معاویہ و یزید تاریخ کی روشنی میں	۱۹۵

حاشیہ نشینانِ یزید کی نقاب کشائی

تعزیراتِ قلم —— علامہ ارشد القادری صاحب مدیر اعلیٰ جامِ نور جمشید پور

کچھ عرصہ سے پاک وہند میں ایسی تحریریں کتابی اور رسائل کی شکل میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ جن میں اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، خاندانِ نبوت اور مدحت سرایانِ اہلبیت کے خلاف بے سروپا مواد جمع کر کے تاریخی تحقیق و تنقید کا منہ چڑانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ نظریاتی فتنوں کی ایک شکل تو صدیوں سے کام کر رہی تھی جس میں اہلبیتِ مصطفیٰ سے تمام افراد کو علیحدہ کر کے صرف پانچ نفوسِ قدسیہ کو مستحقِ عقیدت سمجھا جانے لگا۔ خاندانِ نبوت کے اکثر افراد کو مستثنیٰ قرار دے کر صرف چند حضرات کو ہی اس حلقہ میں رکھا گیا۔ پھر جب تک اہلبیت اور خاندانِ نبوت کے علیحدہ کردہ بزرگانِ ملت کو سب و شتم کا نشانہ نہیں بنا لیا جاتا تھا، مدحت سرائی اہلبیت کے فریضہ سے سبکدوشی تصور نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس دینی فتنے نے پوری اسلامی تاریخ پر اپنے منحوس اثرات مرتب کیے اور صحابہ کرام، امہات المومنین اور دیگر بزرگانِ دین پر بے پناہ الزامات گھڑے اور ہوس خبثِ باطنی کی تسکین کی گئی۔ ایسے لٹریچر نے نیک لوگوں پر زبان درازی کی روایت قائم کی اور اسلامی دنیا میں گستاخانہ اندازِ تحریر کے دروازے کھول دیئے۔ اب اس رجحان کو جب خارجی عناصر نے اپنی قلموں کی نوک پر رکھا تو وہ نوکِ سنان بن کر اہلِ ایمان کے جذبات کو مجروح کرتی گئیں۔ غالی شیعوں نے اپنی جارحانہ تحریروں سے ملت کے ان نیک دل قارئین کے جذبات کو پامال کرنے میں کبھی ندامت محسوس نہ کی تھی جنھیں صحابۂ رسول سے محبت و عقیدت تھی اب ان کی رسوائے عالم عادت کو خارجی اہلِ قلم نے اپنا لیا ہے اور وہ پاک و ہند میں اہلبیت، سادات کرام اور خصوصیت سے امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی ذات کو نشانۂ ستم بنا کر کتابیں لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ

اپنے قارئین میں ایک غلط تاثر دے رہے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں سے سید، بنو ہاشم اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو اسلامی تاریخ میں کوئی ممتاز مقام حاصل نہیں۔ اُن کے ہاں اسلام کی تاریخ میں فاتحین شمشیر زن اور بادشاہوں کو تو ایک درجہ حاصل ہے مگر جس نے میدانِ کربلا میں حق و باطل کے معرکہ کو زندہ جاوید بنا دیا تھا جس کی شمشیر پر دنیا کے تیغ زن فخر کرتے ہیں اور جس نے دنیا بھر کے بادشاہوں کو اصولِ حکمرانی سکھائے تھے کو اتنا بھی حق نہیں دیا جا سکتا کہ اس کے کردار کو احترام وعقیدت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اس سلسلہ میں محمود عباسی کی رسوائے عالم کتاب خلافتِ معاویہ ویزید، تحقیق سید و سادات، تحقیق مزید، پھر مولانا سلیمان کی سادات بنو امیہ اور ابو یزید محمد دین بٹ کی رشید ابن رشید اور اس جیسی چھوٹی موٹی کتابوں نے ان پاکیزہ ہستیوں کے تقدس کو سخت مجروح کیا۔ علمائے اہلسنت نے ان ناپاک تحریروں کا بروقت اور سخت نوٹس لیا اور ان قلم کاروں کی ناپاک کوششوں کی ہمیشہ مذمت کی۔ ہندوستان کے علماء اہلسنت میں سے علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے اپنے ماہنامہ پاسبان کا ۱۹۶۰ء میں خصوصی نمبر ترتیب دیا (جسے زیر نظر کتاب "کربلا کا مسافر" کی شکل میں بادنیٰ ترمیم پیش کیا جا رہا ہے) اور خارجیوں کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کرنے میں ایک کامیاب کوشش کی۔ دسمبر ۱۹۶۸ء "جام نور" جمشید پور بہار نے ان نقاب پوش مورخین کو اپنے قلم کی انی سے بے نقاب کر دیا۔ اور پھر اُس ذہن کے محرکات اور اسباب کو سامنے لا رکھا ہے جو ان کے پیچھے کام کر رہا تھا۔ ان سارے ذرائع کی نشان دہی کر دی جو اپنے نظریات کے سایوں میں ایسی ناپاک تحریروں کو نشو و نما دیتے رہے تھے۔

دراصل اس فکری رجحان کے پیچھے عقیدہ اور نظریہ کی پوری قوت کار فرما ہے جس کے اسباب وعلل پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید" سے متعلق دیوبند کا جماعتی آرگن روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے ایڈیٹر کا شذرہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا، اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

" ابھی حال میں پاکستان سے معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے

جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔"

(۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء)

غور فرمائیے کیا اب بھی دیو بندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے، اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کی تائید و حمایت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں؟ ؏

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

صوبۂ بہار میں دیو بندی جماعت کی امارت شرعیہ پھلواری شریف کا آرگن پندرہ روزہ "نقیب" "خلافت معاویہ و یزید" کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"علمائے دیو بند کی بدولت احادیث کی اشاعت نے بھی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا۔ جناب محمود عباسی کی یہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اسی احقاقِ حق کی آخری کوشش ہے۔" (۹ر اکتوبر ۱۹۵۹ء)

شاباش! جادو وُہ جو سر چڑھ کر بولے۔ آپ ہی کہیے اب اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احقاقِ حق کی آخری کوشش نہ سہی اوّلین کوشش تو علمائے دیو بند کی طرف ضرور ہی منسوب ہے۔ انھوں نے بنیاد رکھی، عباسی نے ایوان کھڑا کیا ــ اوّل با آخر نسبتے دارد۔

چند سطروں کے بعد پھر "نقیب" لکھتا ہے:

"بیشک ہم امام حسین کی فضیلت کے قائل ہیں، اس لیے کہ وُہ مسلمان تھے، تابعی تھے اور بعض دلائل کی بنا پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا گو اس میں اجتہاد کی غلطی ہُوئی اس بات کے لیے مردانہ وار جان دے دی۔" (۹ر اکتوبر ۵۹ء)

اس سے بڑھ کر فضیلت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا اُن کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت نہیں ہے۔ واللہ! حد ہو گئی کور چشمی اور عناد کی بھی!

امام کے متعلق جس طبقہ کے خیالات اس قدر رجارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ ویزید کی تائید میں اُن کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہوگئی ہوگی۔ ؎

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

بہت کم لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہوگا کہ "خلافتِ معاویہ و یزید" جیسی دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں در پردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ حیرت زدہ ہوکر سُنیئے کہ وُہ دیوبندی جماعت کے ایک مایۂ ناز اہل قلم اور معتمد عالم ہیں۔ دُوسروں کی روایت نہیں خود عباسی نے اپنے دیباچہ میں ان لوگوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو، عباسی لکھتا ہے:

"محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق جدید نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ فروری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" میں فرمایا تھا کہ آپ کے "الحسین" پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وُہ بہت ہی جامع، نافع، بصیرت افروز ہے اسے کتابی شکل میں لائیے۔"

(دیباچہ خلافت معاویہ ویزید ص ۱۴)

"صدق جدید" کے ایڈیٹر عبدالماجد دریا بادی ہمارے لیے کچھ اجنبی نہیں ہیں یہ شیخ دیوبند مولوی حسین احمد آنجہانی کے جانے پہچانے مُرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے مجاز و معتمد خلیفہ ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنھوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں "حکیم الامت" نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال ایک جگہ وُہ خود اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ایک زمانہ تھا کہ بزرگوں کے کرامات اور کمالات اور ان کے مناقب کے کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی مضامین خشک و بے مزہ معلوم ہوتے تھے ایک عرصہ سے صورتِ حال بالکل برعکس ہے اب توحید ہی کے مضامین سننے اور پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور بڑے سے بڑے بزرگ کے لیے ان کی

بشریت کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کرامات و مناقب میں اب زیادہ جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ نعتیہ کلام میں بھی اب اگلی سی دل بستگی باقی نہیں۔" (حکیم الامت ص ۵۸۳)

تھانوی صاحب کی صحبت میں محبوبانِ الٰہی و مقربانِ حق سے بے تعلقی و بیگانگی کا یہ جذبہ بیزاری و تنقیص کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اسی عبدالماجد دریا بادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صحابۂ کرام پر یوں طعن کرتا ہے، پڑھیے اور سینہ پیٹئے کہ آپ کی آبادی میں کیسے کیسے جراح پیدا ہو رہے ہیں:

"جب حضرات صحابہ تک نہ عملی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغزشوں سے تو دوسرے حضرات کا مرتبہ تو ان سے فروتر ہے۔" (حکیم الامت ص ۲۰۶)

سُن لیا آپ نے، یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے سند یافتہ عارف! جن کی نگاہ میں معاذ اللہ صحابہ تک گنہگار ہیں وہ آج اگر امام حسین و اہلبیت رضی اللہ عنہم کی مذمت و تنقیص پر دشمن کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں تو اس میں تعجب و شکوہ ہی کیا ہے جبکہ صحابۂ کرام کی حرمت خود ان کے ہاتھ سے گھائل ہے اور یہ سارا زہر تو اسی میکدہ کا ہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں۔ دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اس طرح کا زہر کشید کیا جاتا ہے تو آپ ہی غور فرمائیے کہ اس جماعت کے معتمد عبدالماجد دریا بادی کی تحریک پر جو کتاب طبع ہو کر شائع ہوئی، کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے کسی رائے کا مزید انتظار باقی ہے؛ اور کیا اس خوش فہمی کے لیے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کی تائید میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی ہو گی۔ ع

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

یہ معلوم کر کے آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے کہ قاتلِ حسین یزید کی عظمت و فضیلت اور صداقت و بے گناہی ثابت کرنے کے لیے عباسی نے اپنی کتاب میں حامیانِ یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس ملحدین اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی

جماعت کے شیخ المشائخ مولوی حسین احمد آنجہانی کا نام نامی بھی ہے گویا دشمن کے ہاتھ میں جو تلوار چمک رہی ہے وہ آپ ہی کی عطا کردہ ہے۔ ع

قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

عباسی کا پیش کردہ حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

"حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

(مکتوبات جلد اول صفحہ ۲۴۲ و ۲۵۲، خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۳۰)

ملاحظہ فرمائیے یہ ہیں یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا جملے پھر غور سے پڑھیے گا:

"خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

یزید کے متعلق تو تاریخی روایات میں شہادت امام حسین بھی ہے اور معرکۂ کربلا کے دردناک مظالم بھی! محذرات اہلبیت کی اسیری و بے پردگی بھی ہے اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل عام بھی! قصۂ مے نوشی و سرود و نغمہ، ترک فرائض اور اشاعت منکرات! سبھی کچھ تاریخی روایات میں ہیں لیکن مصلحت بالائے طاق رکھ کر اگر اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہوتی کہ ان تاریخی روایات میں مبالغہ اور تخالف کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی زحمت سے بچ جاتے۔ اس سے زیادہ اور اس کمبخت کا قصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح کا نام "خلافت معاویہ و یزید" رکھ دیا ہے۔

حرم کی خاک پہ لات و منات کیا کم ہیں
یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اجمال و تفصیل اور متن و شرح دونوں جگہ قلم کے پیچھے ایک ہی ارادہ، ایک ہی مطمح نظر اور ایک ہی محرک کار فرما ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی ناعاقبت اندیش

گستاخی کا شکار ہو کر برہنہ ہو گیا ہے اور شیخ دیو بند اپنی مصلحت اندیش چالاکی سے بے نقاب نہیں ہو سکے، لیکن ؎

نزدیک ہیں وہ دن کہ پس پردۂ جلوہ
پابندیٔ آداب تماشا نہ رہے گی

اب آپ ہی غور فرمائیے۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی دیو بندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" ان کے جماعتی عقیدہ کی ترجمان نہیں ہے۔ ع

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

ایک نیا انکشاف ملاحظہ فرمائیے اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس کی مخفی تدبیر مجرمین کے چہرے سے کتنے حیرت انگیز طریقہ پر نقاب کشائی فرماتی ہے۔ عباسی نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا اور یزید کی طہارت و بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جو نشانے قائم کیے ہیں وہ دورِ حاضر کے ملحدین کی زبان ہیں ان کے ذہن و فکر کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے اس کی بنیاد دیو بندی جماعت کے مشہور مناظر اور ان کی تبلیغی جماعت کے موجودہ سربراہ مولوی منظور نعمانی کی ادارت میں ان کے ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کے صفحات پر پڑ چکی ہے۔ حوالہ کے لیے ماہنامہ "الفرقان" اگست ۵۴ء ۱۹ صفحہ ۱۹ و ۲۰ اور "الفرقان" ستمبر ۵۴ء صفحہ ۴۷ کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

الف۔ اہلبیت کے سلسلہ میں مسلمان افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اعتقاد و عمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات اہلبیت اور واقعۂ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گھڑ لی گئی ہیں۔

ب۔ امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔

ج۔ امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔

د - یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت وخروج تھا۔

ہ - صحابۂ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔

ٹھیک اس کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۵۵ء میں لکھنؤ کے مشہور ادبی ماہنامہ "نگار" میں "الفرقان" کے مذکورہ بالا مضمون پر "واقعۂ کربلا" کے عنوان سے کسی سُنی اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی اس کی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیے اور تاثرات کی یکسانیت کا تماشہ دیکھیے:

"مضمون بالا کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد اور کئی ذی علم دوست اس نتیجہ پر پہنچے کہ مضمون نگار اوّل سے آخر تک حکومت بنی امیہ اور خصوصاً یزید کی پوزیشن صاف کرنے اور امام ہمام سیدنا حسین علیہ السلام کی مظلومانہ حیثیت اور اور اولوالعزمانہ شہادت کا مرتبہ گھٹانے میں ساعی رہے ہیں اس لیے اگر ان کے مضمون کو حمایتِ یزید (APOLOGY FOR YZID) کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہیں۔ مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھ کر بعض صاحبوں نے ان پہ اعتراضات کیے تھے کہ حضرت امام حسین کے اقدام کے لیے بغاوت کا لفظ کیوں استعمال کیا نیز حضرت کا بیعتِ یزید کے لیے آمادہ ہو جانا، صحابہ کا یزید سے بیعت کر لینا اور یزید کا حادثۂ کربلا پر رنج کرنا کس بنا پر لکھ دیا— ان اعتراضات کے جو جوابات انھوں نے دیے ہیں اُن میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ وُہ اموی سلطنت کے طرفداروں میں ہیں۔" (ماہنامہ نگار صفحہ ۹، نومبر ۱۹۵۵ء)

اس کے بعد کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے۔ تنقید نگار لکھتا ہے:

"اُنھوں نے اپنے نزدیک امام پر بڑا احسان کرتے ہُوئے آپ کی شہادت کو تسلیم کر لیا ہے مگر اس کو محض ذاتی عزت کا سوال قرار دیا ہے حالانکہ دُوسری جگہ خود اُن کے خیال کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اب کہیے کس کو صحیح مانا جائے۔" (نگار ص ۲۱- ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء)

آخر کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرما لیجئے:

"اُنھوں نے اپنے مضمون میں نہایت جسارت سے حضرت کے اقدام کے متعلق "بغاوت" کا لفظ استعمال کیا ہے اور جب کسی شخص نے ٹوکا تو صاف صاف اظہارِ ندامت کے بجائے تاویل رکیک کی آڑ لی ہے۔" (نگار صـ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اب آپ اپنا حافظہ ذرا تازہ کر لیجئے اور عباسی کی "خلافتِ معاویہ و یزید" اور تبلیغی جماعت کے آرگن "الفرقان" لکھنؤ بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اقتباسات پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ یزید کی طہارت و بے گناہی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا ثابت کرنے کے لیے عباسی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے کیا یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنہیں آج سے پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمہ دار حلقہ نے شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ "الفرقان" کے یہ مضامین پڑھنے کے بعد ٹھیک غم و غصہ کے یہی تاثرات اس وقت بھی ذہن میں پیدا ہوئے تھے جو آج "خلافتِ معاویہ و یزید" کے مطالعہ سے عام اذہان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی شہادت کے بعد اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیّل، ایک ہی طرزِ استدلال، ایک ہی اندازِ بیان، ایک ہی لب و لہجہ اجمال و تفصیل کے ساتھ مشترک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ "الفرقان" کی شقاوت کا احساس اس وقت ایک خاص حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی کا فسانۂ بدبختی نگر نگر میں پھیل گیا ہے۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی حمایت میں دیوبندی جماعت کے تبلیغی آرگن "الفرقان" کی گرم جوش سبقت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ شہادت کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافتِ معاویہ و یزید" ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔ ع

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

دیوبندی جماعت کی طرف سے یزید کی حمایت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ خیالات کا قصہ اتنے پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس جذبہ میں وُہ اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام سے بیزاری و ناراضی کا رشتہ نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ الامان والحفیظ۔

ملاحظہ فرمائیے اخبار "النجم" لکھنؤ جس کے ایڈیٹر دیوبندی جماعت کے امام مولوی عبدالشکور کاکوری ہیں۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۶ھ کو ایک کربلا نمبر شائع ہوا تھا اس میں مضمون نگار باغیانِ خلافت کے خلاف وعیدِ عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> "بقیہ تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح یزید کی مخالفت پر رضامند نہ تھے۔" (النجم، لکھنؤ ص۲۵)

معاذ اللہ! یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریف و افتراپردازی کی ناپاک جسارت ملاحظہ فرمائیے۔ اس مفتری و کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی مخالفت کرکے اپنے ناناجان سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ ذرا غور فرمائیے، امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلبِ نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگائی جاسکتی ہے؟ نعوذ باللہ من شرور انفسھم۔

آگے چل کر مضمون نگار نے چند وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے دلوں کو قہر و غضب اور سخت گیری کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے اور وُہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔

ان حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر اخیر میں لکھتا ہے:

> "یزید کو جو اس وقت کے مسلمانوں پر ایک عذابِ الٰہی کا نمونہ تھا ہرگز ہرگز بُرا کہنے کی اجازت نہیں۔" (النجم صفحہ ۲۶)

اس عبارت سے نامراد کی مراد یہ ہے کہ معاذاللہ اس وقت صحابۂ کرام اور اہلبیت میں خدا کی نافرمانی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ خدا نے ان کی تعزیر و عقاب کے لیے یزید کو ان پر مسلّط کر دیا تھا۔

ایمان و عقیدت کی اسپرٹ میں غور فرمایئے! یہ ہیں دیوبندی جماعت کے وہ جارحانہ خیالات جن کے آگے عباسی کی شقاوت بھی ہاتھ باندھے کھڑی ہے اور یہ جملہ تو بار بار پڑھنے کا ہے کہ:

"یزید کو ہرگز ہرگز بُرا کہنے کی اجازت نہیں۔"

بے لاگ ہوکر اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اتنا سب کچھ منظرِ عام پر آجانے کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافتِ معاویہ و یزید" اُن کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں؛ ع

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

شہیدِ کربلا شہزادہ گلگوں قبا سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ جارحانہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں اُن کے مذہبی اکابر و اصاغر نے اپنی تصنیفات میں نہایت شدّ و مد کے ساتھ اپنے متبعین کو امام عالی مقام کی بارگاہ اطہر میں خراجِ ثواب و نذرِ عقیدت تک پیش کرنے سے منع کیا ہے۔

حد درجہ شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ عشرۂ محرم میں امام عالی مقام کی صحیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعاتِ کربلا کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

حوالہ کے لیے دیکھئے دیوبندی جماعت کے امام اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی کی فتاویٰ رشیدیہ حصّہ دوم صفحہ ۱۵۳ و حصّہ سوم صفحہ ۱۱۔

خالی الذہن ہوکر غور کرنے کے بعد اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے بلکہ خروج و بغاوت کی شرعی تعزیر گردانتے ہیں یا پھر یزید کے جذبۂ حمایت میں یہ اتنا بھی برداشت نہیں کرسکتے

کہ امام واجب الاحترام کی دردناک مظلومی اور رقت انگیز واقعہ شہادت کا اظہار کرکے یزید کے مظالم و شقاوت کی داستان منظر عام پر لائی جائے۔

بہر حال جو وجہ بھی ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبے کی شدت میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پہ یہ مسلح ہو کر خانہ جنگی تو کر سکتے ہیں لیکن رجوع نہیں کر سکتے۔

غور فرمائیے حضرت امام حسین و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق ان کا یہ جارحانہ عقیدہ جسے سلف سے لے کر خلف تک سب نے اپنا مذہبی شعار بنا لیا ہے۔ واضح طور پر معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس بات میں ان کا اعتقادی مؤقف معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" ان کے جماعتی عقیدہ کی ترجمان نہیں ہے؟

اس حقیقت سے غالباً آپ بھی اختلاف نہیں کریں گے کہ حالات کے دباؤ سے رائے عامہ کی تائید کو مسلک و عقیدہ نہیں کہا جا سکتا البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے عاقبت اندیش اقدام کہنا صورت حال کی صحیح تعبیر ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست بنگال کے جن غیر مسلم سربراہوں نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کو ضبط کر کے نفرت اور مذمت کا اظہار کیا ہے ان کے متعلق یہ کہنا فاش غلطی ہے کہ یہی ان کا عقیدہ و مسلک بھی ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب کو ضبط کر کے رائے عامہ کے جذبات کا احترام کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ہے، جب دیوبند کے کتب فروشوں نے جو عقیدتاً بھی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بن کر مارکیٹ تک اسے پہنچایا تو اس وقت یہ خاموش تھے، جب دیوبند کے ماہناموں "تجلی" اور "اسلامی دنیا" نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی جماعت کے آرگن "الجمعیۃ" دہلی نے کتاب کی حمایت میں اپنا گمراہ کن تبصرہ شائع کیا تو

اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔

غرض دارالعلوم دیوبند کے پس دیوار سے لے کر لکھنؤ تک شہید کربلا کے خلاف جارحانہ نعرے بلند ہوتے رہے اور ان کے قلم کو جنبش تک نہ ہوئی اور نہ ہی ان کے عقیدے کو ٹھیس لگی بلکہ پورے سکونِ قلب کے ساتھ یہ آلِ رسول کی بیحرمتی کا تماشا دیکھتے رہے۔

لیکن کتاب کی اشاعت میں دیوبند کے کتب فروشوں، دیوبند کے ماہناموں، تبلیغی جماعت کے آرگن "الفرقان" اور روزنامہ "الجمعیۃ"، کی سرگرمیوں کے نتیجے میں جب رائے عام دیوبندی مکتبہ خیال کے حق میں مشتعل ہونے لگی تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انہوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی میں ایک قرارداد منظور کرکے ملک میں شائع کر دیا قرارداد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کی بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پر کارفرما ہے۔

قرارداد کا یہ حصہ غور سے پڑھیے جو ۴ نومبر ۵۹ء کو دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ میں منظور کی گئی:۔

" دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مفتریوں کے خلاف بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنہوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علمائے دیوبند کی تصنیف باور کرانے کی سعی کرکے انتہائی دیدہ دلیری سے " دروغ گویم بر روئے تو"، کا ثبوت دیا ہے اور اس حیلہ سے علمائے دیوبند کی پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔" (پیامِ مشرق ۲۱ نومبر ۵۹ء دہلی)

اگر واقعی کتاب کی طباعت و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقت وہ اسے اپنے مسلک و عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو حق کی حمیت کے نام پر قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ" وہ اسباب جرم کی فراہمی اور اس کی تائید بھی جرم ہے"، کے اصول پر لگے ہاتھوں تھانوی صاحب کے خلیفہ مولوی عبدالماجد دریا بادی ۔۔۔

مکتوبات مولوی حسین احمد صدر دیوبند النجم لکھنؤ نقیب پھلواری شریف پٹنہ، الفرقان لکھنؤ، الجمعیۃ دہلی، فتاوی رشیدیہ، ماہنامہ تجلی اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی طرح اپنی نفرت وبیزاری اور غم وغصہ کی ایک قرارداد منظور کر کے ملک میں شائع کرا دیں کیونکہ ان میں سے بعض نے کتاب کی ترتیب و تدوین، مواد کی فراہمی، طباعت، اشاعت، تائید میں بعنوان مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اس طرح کے جارحانہ خیالات اپنی تحریروں میں پیش کیے ہیں جیسا کہ ان کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں سپرد قلم کر چکا ہوں۔

اگر مہتمم صاحب ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ زیادہ دنوں تک وہ عوام کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ کتاب سے بیزاری کے نتیجہ میں یہ لازمی مطالبہ پورا نہ ہوا تو عوام یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً حق بجانب ہوں گے کہ قرارداد کا مقصد حمایت حق میں نہیں ہے بلکہ محض دارالعلوم دیوبند کے مالی مفاد کی خاطر عوام کی توجہات کو ٹوٹنے سے بچانا ہے جیسا کہ پڑوس میں رہنے والے ایک واقف کار دیوبندی فاضل نے خود اس کی شہادت دی ہے والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

"ظاہر ہے کہ جس ادارے کا مدار ہی قوم کے چندے پہ ہوا سے حکمت و مصلحت کی نوک پلک درست رکھنی ہی چاہیئے۔" (ماہنامہ تجلی دیوبند، دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۹)

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ آج رائے عامہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے، اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ یزید کے حامیوں کی مذمت میں قرارداد شائع کی جائے۔ کل اگر خدانخواستہ رائے عامہ یزید کی حمایت میں پلٹ جائے تو دارالعلوم کے ارباب حل وعقد کے لیے قطعاً کوئی امر مانع نہ ہوگا کہ وہ اسی لب ولہجہ کے ساتھ حامیان حسین کی مذمت میں قرارداد منظور کر لیں۔ حوالے کیلئے ذیل کا اقتباس پڑھیے:

"وہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نہایت ضابطہ و متحمل ہیں انہیں جذبات پہ

حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں، جس موضوع پر چاہیں ایک ہی لب و لہجہ میں بات کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ کل اگر مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرار داد کے بالکل برعکس تجویز پاس کی جائے تو ان کا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے اسی خوشگوار لب و لہجہ میں ثبت قرطاس کر دیگا۔"

(ماہنامہ تجلی، دسمبر ۵۹ء ص ۹ دیوبند)

شاباش! اسلام میں جس خصلت کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے دیوبندی فاضل اپنے مہتمم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔ ؎

خیال کن ز گلستان من بہار مرا

ویسے بھی ان حضرات کے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دارالعلوم دیوبند کے مفاد اور جماعت کی مصلحت پر وہ اپنے مسلک و عقیدہ کا خون کرنے کے عادی ہیں۔ حد یہ ہے کہ فریب خوردہ عوام کے دلوں پر اپنا قبضہ باقی رکھنے کے لیے منہ بولا شرک و بدعت تک وہ خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

ویسے عام حالات میں تو وہ مومنین کے آقا سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے اعتراف میں اپنا دل صاف نہیں رکھتے لیکن جب کبھی جماعت کی مصلحت داعی ہوتی ہے تو ان کی توصیف و ثنا کے لیے اپنے دل پر جبر بھی کر لیتے ہیں۔

چھوٹوں کی نہیں ان کے بڑوں کی باتیں کر رہا ہوں۔ اشرف السوانح کے مؤلف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسۂ دستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیر مغاں مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (تھانوی صاحب) نے باادب عرض کیا کہ اس کے لیے روایات کی ضرورت ہے

اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں "۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۲۶)

"ذرا اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے" کا فقرہ ذہن پر زور دے کر پڑھیے اور سوچیے کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے ہمارے ساتھ کتنا سنگین مذاق کر رہے ہیں۔ بے چارہ عباسی تو بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آیا اور پٹ گیا۔ ہند و پاک کی کئی کروڑ مسلم آبادی اس کے منہ پر تھوک چکی اور آپ بھی "کربلا کا مسافر" کے ذریعہ اس کی گھائل پشت پر تازیانے رسید کر رہے ہیں لیکن دیوبند کے یہ بازیگر جو اپنے چہروں پر خوبصورت نقاب ڈالے مسلم آبادیوں میں پھر رہے ہیں کوئی انہیں کیوں نہیں چوراہے پر کھڑا کر دیتا۔

رسول اور آلِ رسول کی حرمت والے مر مٹنے والے اگر شخصیت سے مرعوب نہیں ہیں تو ان کا گریبان کیوں نہیں تھامتے۔ ایک طرف یزید کے حامیوں سے ان کے ساز باز ہیں دوسری طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ آنسو بہاتے ہیں۔ ایک طرف یہ صحابہ و اہلبیت کے مزارات مسمار کر دینے پر صحرائے نجد کے درندوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگاہوں کی مجاوری کے لیے ہر جگہ سازشوں کا جال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مکر و فریب کی یہ تجارت کب تک نفع بخش رہے گی اور پسِ پردہ منافقت کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا۔

برِصغیر ہند کی ساڑھے سترہ کروڑ مسلم آبادی میں ہے کوئی بے لاگ صاحبِ نظر جو ان کے نفاق کا دامن چاک کرکے انہیں بے پردہ کر دے؟ ؎

شدتِ غم سے چھلک آئے ہیں آنسو ورنہ
مدعا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا

غلط فہمیوں کا ازالہ

منظور ہے گزارش احوال واقعی　　اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

محمود عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" نظریاتی دنیا میں موضوع بحث بن چکی ہے۔ درس گاہ۔ خانقاہ۔ کالج اور یونیورسٹی سے لے کر قہوہ خانہ۔ ہوٹل اور بازار کے چوراہے تک اس کا تذکرہ ہے۔ حد تو یہ ہے کہ چنڈو خانہ کے افیمی اور پھکڑ باز بھی اسی کو تختۂ مشق بناتے ہیں جس کو دیکھ کر عام ذہنوں پہ یہ دباؤ پڑ رہا ہے کہ ہو نہ ہو کوئی بہت ہی معرکۃ الآرا تصنیف ہے بعض سطح بین حضرات تو یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ آج تک ایسی مدلل و محقق کتاب لکھی ہی نہیں گئی مصنف نے بڑی دیدہ ریزی اور کاوش نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہر چند سطر بعد تاریخ و احادیث کی شہادت موجود ہے وغیرہ وغیرہ گویا یہ ہے اس کتاب کے بارے میں ایک رائے عامہ۔

(۱) دوستو! یہ سراسر دھوکا ہے آپ کی مثال تو ایسی ہی ہے جس نے دور سے ساحل کی ریت کو بہتا ہوا پانی اور دہکتے ہوئے انگارے کو شاداب پھول سمجھ رکھا ہو۔ لیکن حقیقت اس وقت بے نقاب ہوتی ہے جب انگارے کو ہتھیلی پر رکھا جائے اور ریت کو گلے سے نیچے اتارنے کی کوشش کی جائے۔ بالکل یہی حال اس رسوائے عالم کتاب کا ہے! فارسی و عربی سے ناآشنا یا سطحی نظر سے مطالعہ کرنے والا حوالہ جات کی کثرت و بہتات دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہ تو آپ کا روزمرہ ہے کہ دھات کے سنہرے ٹکڑے پہ عوام ہی کی نہیں بلکہ خواص کی نظریں بھی دھوکا جاتی ہیں یہ پرکھنا آسان نہیں ہوتا کہ یہ ٹکڑا پیتل ہے یا سونا تاوقتیکہ کسوٹی پہ اس کو پرکھ نہ لیا جائے ایسے ہی ہر وہ کتاب جس میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، تاریخی روایات اور اقوال آئمہ کی شہادتیں

کا ایک سیل رواں ہو۔ محض اتنی سی بات اس کتاب کی حقانیت وصداقت کی ضمانت نہیں تاوقتیکہ اس کو عقل کے ترازو پر تول نہ لیا جائے اور نقل کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے کیا ایک واعظ کا یہ پند و موعظت آپ کے ایمان کو مطمئن کر سکے گا کہ تم لوگ نماز مت پڑھو کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے "لا تقربوا الصلوٰۃ" اے لوگو نماز کے قریب مت جاؤ۔ یہ سن کر آپ کا ایمان سہم جائے گا اور مساجد کو آپ مقفل کر دیں گے یا آپ کے جوشِ اسلام کو غیرت آئے گی اور آگے بڑھ کر آپ واعظ کا گریبان بمقام کر یہ فرمائیں گے کہ اے ناصح محترم ہمیں قرآن کی عظمت و حرمت کا اعتراف مگر ﷲ قرآن اور نماز کا مذاق نہ اڑائیے اگر آپ کو نماز نہیں پڑھنی ہے تو کھلے بندوں اور علی الاعلان اپنے بے نمازی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹیے لیکن قرآن حکیم کی آیت کریمہ کو توڑ مروڑ کر یا اس میں کتر بیونت کر کے اپنی بے عملی کی دلیل نہ بنائیے۔

اب اس کے بعد آپ قرآن مجید کی پوری آیت پڑھ کر اصلاح فرمائیں گے کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ یعنی تم لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جانا۔ اب میں آپ کا انصاف چاہتا ہوں کہ واعظ نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں قرآن ہی کا ایک ٹکڑا پیش کیا تھا مگر آپ قرآن کا نام سن کر مرعوب نہ ہوئے۔ آخر آج آپ کی غیرتِ ایمانی کہاں سو گئی ہے کہ علم و ادب کی بھرپور محفل میں حدیث و تاریخ کا سہارا لے کر کٹ حجتی اور بے حیائی کا ننگا ناچ ہو رہا ہے اور آپ کی عقل محوِ تماشا ہے۔

یزید کو متقی و پرہیزگار اور سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کیلئے تاریخی روایات کا انبار اکٹھا کر کے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے اور آپ ہیں کہ اس کو تحقیق و ریسرچ کا مرتبہ دے رہے ہیں آپ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اگر تم یزید ہی کے ساتھ اپنا حشر چاہتے ہو تو ڈنکے کی چوٹ پر کہو مگر اپنے جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کی دلیل میں تاریخ و سنت کو نہ پیش کرو۔ چند صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب کی سڑی گلی روایتوں کو دیکھ کر آپ کا ذہن بوجھل ہو گیا اور نہ جانے کتنوں کے دماغ کی چول کھسک گئی اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ عباسی نے تحقیق و ریسرچ کا حق ادا کر دیا ہے۔ تحقیق و تدقیق کا حق

تو نہ ادا ہوُا البتہ دروغ بیانی، افترا پردازی، بہتان تراشی اور جعلسازی میں مؤلف نے اپنی مثال قائم کردی اب آگے عام یزیدی جیسے نہ جانے کتنے اس طرزِ تحریر اور اسلوب بیان کو اپنانے کی کوشش کریں گے۔

مصنّف سے ایک بھوُل ہوئی اگر وہ کتاب کے سرورق پر لکھ دیتا کہ اس میں جتنے بھی نام اور جس قدر حوالہ جات ہیں وہ سب فرضی اور اختراعی ہیں تو آج اس کی کتاب تیر ملامت کا نشانہ نہ بنتی بلکہ الف لیلیٰ، کلیلہ دمنہ اور طلسم ہوشربا جیسی کتابوں کی صف میں رکھی جاتی اور آج کلکتہ اور بمبئی کی اصطلاح میں ایسے مصنف کو بنڈل باز کہنے کی بجائے افسانہ نویس اور ناول نگار کہا جاتا۔ پہلی غلطی تو اس کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ حوالہ جات کی کثرت سے ذہن مرعوُب ہوُا ہے۔

اور دوسری غلطی یہ ہے کہ کتاب کی شہرت سے بعض لوگوں کا ذہن و فکر متاثر ہے ایسے سادہ لوح حضرات سے بس اتنی سی بات عرض کرنی ہے کہ اگر کسی کتاب کی شہرت اس کے حق بجانب اور عمدہ تحقیق ہونے کی ضمانت ہے تو اب سے تقریباً نصف صدی پیشتر، رنگیلا رسول جیسی رسوائے عالم کتاب لکھی گئی تھی جس کی اشاعت پر ہندوستان کا غیرت مند مسلمان ہتھیلی پر سر لیے کفن بردوش میدان میں اتر آیا تھا اور ملک کے طول وعرض میں اس کتاب نے تہلکہ مچا دیا تھا غرض اس کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ دُور نہ جائیے ابھی چند برس کی بات ہے "ریلیجس لیڈرس،، نامی رسوائے عالم کتاب کی اشاعت پر ملک کے گوشے گوشے میں احتجاجی جلسے ہوئے۔ ایجی ٹیشن کیا گیا اور حکومت سے اس کی ضبطی کا مطالبہ کیا گیا جس کی پاداشں میں جناب کے ایم منشی کو اتر پردیش کی گورنری سے ہاتھ دھونا پڑے اور بھارت کی سیکولر حکومت نے اس کتاب کو غیر آئینی قرار دے کر اپنی انصاف پسندی اور جمہوریت نوازی کا ثبوت دیا۔ اب آپ فرمائیں "ریلیجس لیڈرس،، نامی کتاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ بھی ریسیرچ اور تحقیق جدید کا اعلیٰ نمونہ تھی اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے تو کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر فرمائیے کہ "خلافت معاویہ ویزید،، جیسی پھوہڑ اور گندہ کتاب کے بارے میں آپ کی سرد مہری

کے کیا معنی ہیں؟ کیا کوئی مسلمان اہل بیت کے بارے میں ایسی ناروا جسارت برداشت کر سکتا ہے جس کو عباسی کے آوارہ قلم نے تحریر کر کے تحقیق کے نام سے پیش کیا ہے؟ اگر اس کے باوجود کوئی اس کتاب کو شاہکار قلم سمجھے تو اس کے سوا اور کیا کہا جائے؟

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

اب ایک ڈھکی چھپی حقیقت کی طرف آپ کی توجہ دلائی جاتی ہے جس پر وقت کی ہما ہمی اور شورش پسندوں کے شور و غوغا نے ایک دبیز پردہ ڈال رکھا ہے۔ اے کاش اس ملعون کتاب پر نعرۂ تحسین و مرحبا بلند کرنے والے کبھی اپنی حق پسند نگاہوں سے واقعات و حالات کا صحیح جائزہ لیتے اور یہ سوچتے کہ اس کتاب کی اشاعت پر جس قدر احتجاجی کارروائی ہو رہی ہے وہ کس بات کی ضمانت ہے؟

کیا اس بات کی کہ اس کا مصنف کوئی محقق یا مؤرخ ہے؟

نہیں اور ہرگز نہیں۔ البتہ اس کتاب کی اشاعت پر ملک کے آہ و فغاں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ پوری کائنات امام حسین کے غم میں مبتلا ہے۔ امام حسین کی شخصیت عظمیٰ ہر مرد مسلم کے دل میں اپنا گھر بنا چکی ہے ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے سبھی اس زُلف کے اسیر ہوئے

عباسی کوئی نئی کوڑی نہیں لائے۔ اپنے ہی بزرگوں کی شطرنجی چال کو اپنایا ہے۔ مولوی عبدالشکور لکھنوی نے جو آگ لگائی تھی اس کی دبی ہوئی چنگاریوں کو عباسی نے ہوا دی ہے۔

یہ تو ان کے اسلاف کا دستور رہا ہے کہ اگر نام پیدا کرنا ہے تو کسی بڑی شخصیت سے ٹکراؤ۔ دامن تاریخ پر اس کی ایک دو نہیں صدہا مثالیں موجود ہیں۔

ابو لولو، خولی اور ابن ملجم وغیرہ کا نام اس لیے نہیں لیا جاتا کہ ان میں کوئی اپنے وقت کا مفسر، محدث اور مؤرخ یا فقیہ اعظم تھا بلکہ یہ سب کے سب ان قائدین اسلام کے قاتل ہیں جن کی عظمت و بزرگی کا پرچم آج بھی قصر تاریخ پر لہرا رہا ہے۔ کیا ہند و پاک کی تاریخ آپ بھول گئے؟ آخر شش دونوں مملکت میں گوڈسے اور اکبر کا نام کیوں لیا

جاتا ہے ؟ کیا یہ دونوں ہند و پاک کے کوئی ممتاز لیڈر گزرے ہیں ؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ اب تو آپ نے اندازہ کر لیا کہ نام پیدا کرنے کا یہ کس قدر آسان طریقہ ہے۔ وقت کا مورخ جب کبھی بھی گاندھی جی اور نوابزادہ لیاقت علی خاں کی تاریخ مرتب کرے گا تو یہ سوانح مکمل نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ دونوں لیڈروں کے قاتل گوڈسے اور اکبر کا تذکرہ نہ کیا جائے گا۔

ایسے ہی یزید کی شہرت کا باعث اس کی امارت صالحہ یا اس کی معدلت گستری اور انصاف پروری نہیں ہے بلکہ اس کے دامن پر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے نواسے سرکار حسینؑ کے خون کی چھینٹیں ہیں اور آج بھی کائنات کی نگاہ بصیرت بنو امیہ کی تلوار سے امام حسینؑ کا ٹپکتا ہوا لہو دیکھ رہی ہے۔ صدیاں گزر گئیں مگر یزیدی فوج کے ہاتھ سے خون کی وہ لالی نہ گئی جس سے کبھی وحشیوں نے میدان کربلا کو لالہ گون بنا دیا تھا۔

اب عباسی کا قلم اپنے چہیتے یزید کی صفائی میں بہکا بہکا پھر رہا ہے۔ قرآن و حدیث نے تو اس کو اپنے دامن میں پناہ دی البتہ کذب و افترا نے اس کے نوک قلم کو چوما اور مکر و فریب کی ہر روایت کو قرآن و سنت کی طرف منسوب کر دیا یا قرآن و سنت کی ہر روایت کو اپنی من گھڑت تحقیق سے داغدار کر دیا۔ " یہ ہے اس کتاب کا پس منظر"، ابھی نہیں یہ فیصلہ تو قیامت کے ہاتھ ہے جب حسینی قافلے کے سامنے یزیدی لشکر مجرمانہ کھڑے ہو کر یہ کہتا ہوگا ؎

دامن کو لیے ہاتھ میں کہتا ہے یہ قاتل کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

مجھے افسوس ہے کہ بات بہت پھیل گئی، خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" وقت کی ایک انتہائی مسلم آزار، دل خراش، غیر مستند، ساقط الاعتبار اور کذب و افترا سے بھرپور کتاب ہے۔ محض سستی شہرت کمانے کی خاطر یا چاندی کے چند سکوں کی حرص و طمع میں یہ ڈراما کھیلا گیا ہے۔

اب جن کو یزیدی فہرست میں اپنا نام درج کرانا ہو وہ اس کتاب کی ہاں میں ہاں

ملائیں اور جنہیں کل قیامت کی ہولناکیوں میں آلِ پیغمبر کے دامن میں پناہ لینی ہو وہ اس کتاب پر نفریں و ملامت کریں، مجھے تو ایک عاشقِ رسول حضرت نیاز بریلوی قدس سرہٗ کی یہ ادا بہت ہی پسند آئی کسی نے حضرت موصوف سے عرض کی کہ یزید کے بارے میں حضرت کی کیا رائے ہے تو جواباً آپ نے فرمایا جتنی دیر یزید کے بارے میں اظہارِ خیال کیا جائے اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ اتنی دیر تک حسین حسین کہا جائے جو باعثِ سعادت اور موجبِ نجات ہے۔ اس کے باوجود اگر آج کا خارجی طبقہ آپ سے الجھتا ہے تو یہ کہہ کر آپ ان سے الگ ہو جایئے کہ ؎

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

تم اپنی راہ چلو مجھے اپنی راہ جانے دو۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا کیے جاؤ مے خوار و کام اپنا اپنا

اگر یزیدیت تمہارے غرور کی شان ہے تو حسینیت ہمارے آبرو کی آن۔

☆

فرات کی لہروں پر ۲ دو یتیموں کا مدفن

آج خانوادۂ نبوّت کے چشم و چراغ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس خون سے کوفے کی سرزمین سُرخ ہوگئی تھی۔ نبی زادے کے خیر مقدم کے لیے آنکھوں کا فرش بچھانے والی آبادی اب اس کی تڑپتی ہوئی لاش کے سامنے مُسکرا رہی تھی۔

تلواروں کی دھار، برچھیوں کی انی اور تیروں کی نوک پر اب بھی خون کے نشانات موجود تھے۔ ابنِ زیاد کے حکم سے حضرت امام کی مقدس نعش شاہراہِ عام پر لٹکا دی گئی تھی کئی دن تک لٹکتی رہی، نبی کا کلمہ پڑھنے والے کھلی آنکھوں سے یہ ہولناک منظر دیکھتے رہے آلِ رسول کی جان لے کر بھی شقاوتوں کی پیاس نہیں بجھ سکی۔ ہائے رے نیرنگیٔ عالم! زمین و آسمان کی وسعت کائنات جس کے گھر کی ملکیت تھی آج اس کی تربت کے لیے کوفے میں گز بھر زمین نہیں مل رہی تھی۔

جس کی رحمتوں کے فیضان نے اہلِ ایمان کی جانوں کا نرخ اونچا کر دیا تھا آج اسی کے نورِ نظر کا خون ارزاں ہو گیا تھا۔ شرم سے سورج نے منہ چھپا لیا۔ فضاؤں نے سوگ کی چادر اوڑھ لی اور جب شام آئی تو کوفہ ایک بھیانک تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ مہمان کے ساتھ کوفے والوں کی وفا قیامت تک کے لیے ضرب المثل بن گئی۔

شقاوتوں کی انتہا ابھی نہیں ہوئی تھی۔ جور و ستم کی وادی میں بدبختیوں کا گھناؤنا اندھیرا اور بڑھتا جا رہا تھا۔

اچانک رات کے سناٹے میں ابن زیاد کی حکومت کے ایک منادی نے اعلان کیا۔ "مسلم کے دونوں بچے جو ہمراہ آئے تھے کہیں روپوش ہو گئے ہیں، حکومت کی طرف سے ہر خاص و عام کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ جو بھی انہیں اپنے گھر میں پناہ دے گا اسے

عبرت ناک سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام واکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔"

حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں یتیم بچے جن میں سے ایک کا نام محمد تھا اور ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور دوسرے کا نام ابراہیم تھا اور ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ کوفے کے مشہور عاشق رسول قاضی شریح کے گھر میں پناہ گزیں تھے۔ یہ اعلان سن کر قاضی شریح کا کلیجہ ہل گیا۔ حضرت مسلم کے جگر گوشوں کا دردناک انجام نگاہوں کے سامنے ناچنے لگا۔ دیر تک اسی فکر میں غلطاں رہے کہ کس طرح انہیں ظالموں کے چنگل سے بچایا جائے۔

کافی غور و خوض کے بعد یہ صورت سمجھ میں آئی کہ راتوں رات بچوں کو کوفے سے باہر منتقل کر دیا جائے۔ اضطراب کی حالت میں اپنے بیٹے کو آواز دی۔

"نہایت احتیاط کے ساتھ کسی محفوظ راستے سے بچوں کو شہر پناہ کے باہر پہنچا دو۔ رات کو مدینے کی طرف جانے والا ایک قافلہ آبادی کے قریب سے گذر رہا ہے انہیں کسی طرح ان کے ساتھ لگا دو۔"

زادِ راہ مکمل ہو جانے کے بعد رخصت کرنے کے لیے دونوں بچوں کو سامنے بلایا جونہی ان پر نظر پڑی فرطِ غم سے آنکھیں بھیگ گئیں۔ ضبط کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی اور بے تاب ہو کر دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ پیشانی چومی، سر پہ ہاتھ رکھا اور سکتے کی حالت میں دیر تک دم بخود رہے۔

باپ کی شہادت کے واقعہ سے بچے اب تک بے خبر رکھے گئے تھے۔ نہ انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ اب خود ان کی ننھی گردنیں بھی خون آشام تلواروں کی زد پہ ہیں۔

قاضی شریح کی اس کیفیت پہ بچے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بڑے بھائی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا۔

"ہمیں دیکھ کر گریہ بے اختیار کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اچانک اتنی رات کو پاس بلا کر ہمارے سروں پہ شفقت کا ہاتھ رکھنا بے سبب نہیں ہے۔ اس طرح کی پھوٹ پھوٹ پڑنے

والی ہمدردی تو ہمارے خاندان میں یتیموں کے ساتھ کی جاتی ہے"

تیز نشتر کی طرح دل میں آر پار ہونے والا یہ جملہ ابھی ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ پھر فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی اور قاضی شریح نے برستی ہوئی آنکھوں کے ساتھ گلوگیر آواز میں بچوں کو جواب دیا۔

"گلشن رسول کے مہکتے غنچو! کلیجہ منہ کو آرہا ہے زبان میں تاب گویائی نہیں ہے کس طرح خبر دوں کہ تمہارے ناز کا چمن اجڑ گیا اور تمہاری امیدوں کا آشیانہ دن دہاڑے ظالموں نے لوٹ لیا"

ہائے! پردیس میں تم یتیم ہو گئے۔ تمہارے باپ کو کوفیوں نے شہید کر ڈالا اور اب تمہاری ننھی جان بھی خطرے میں ہے آج شام ہی سے خون کے پیاسے تمہاری تلاش میں ہیں ننگی تلواریں لیے ہوئے حکومت کے جاسوس تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں"

یہ خبر سن کر دونوں بچے ہیبت دخوف سے کانپنے لگے۔ ننھا سا کلیجہ سہم گیا پھولوں کی شاداب پنکھڑی مرجھا گئی۔ منہ سے ایک چیخ نکلی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ ہائے رے تقدیر کا تماشہ! ابھی چند ہی دن ہوئے کہ ماں کی مامتا نے پیار کی ٹھنڈی چھاؤں میں مدینے سے رخصت کیا تھا۔ ناز اٹھانے کے لیے باپ کی شفقتوں کا قافلہ ساتھ چل رہا تھا۔ اب نہ باپ کا دامن ہے کہ پکڑ کر مچل جائیں نہ ماں کا آنچل ہے کہ سہم جائیں تو منہ چھپالیں۔ رہی نیند سو کر اٹھنے والے اب کسے آواز دیں۔ کون ان کی پلکوں کا آنسو اپنی آستین میں جذب کرے۔

آہ! غنچوں کی وہ نازک پنکھڑی جو شبنم کا بار بھی نہیں اٹھا سکتی آج اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔

پردیس میں ننھی جانوں کے لیے باپ کی شہادت ہی کی خبر کیا کم قیامت تھی کہ اب خود اپنی جان کے بھی لالے پڑ گئے تھے۔ فضا تیغ برہنہ لیے سر پر کھڑی تھی۔ آنکھوں کے سامنے امیدوں کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ قاضی شریح سے بچوں کا بلک بلک کر رونا اور پچھاڑیں کھا کھا کر تڑپنا دیکھا نہیں جا رہا تھا بڑی مشکل سے انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا

"بنو ہاشم کے نونہالو! اس طرح پھوٹ پھوٹ کر مت روؤ۔ دشمن دیوار سے کان لگائے کھڑے ہیں تم اپنے باپ کی ایک مظلوم یادگار ہو۔ تاجدارِ عرب کی ایک مقدس امانت ہو۔ نازک آبگینوں کو کہیں ٹھیس لگ گئی تو میں عرصہ محشر میں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گا اس لیے میری خواہش یہ ہے کہ کسی طرح تمہیں مدینے کے دارالامان تک پہنچا دیا جائے۔"

"اسی وقت تم دونوں رات کے سناٹے میں ہمارے بیٹے کے ہمراہ کوفے سے باہر نکل جاؤ اور جو قافلہ مدینے کی طرف جا رہا ہے اس میں شامل ہو جاؤ۔ اپنے نانا جان کے جوارِ رحمت میں پہنچ کر ہماری طرف سے درود و سلام کی نذر پیش کر دینا۔"

"اچھا جاؤ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

بھیگی پلکوں کے سائے میں قاضی شریح نے بچوں کو رخصت کیا۔ پاسبانوں اور جاسوسوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر قاضی شریح کے بیٹے نے بحفاظت تمام انہیں کوفے کی شہر پناہ سے باہر پہنچا دیا۔ سامنے کچھ ہی فاصلے پر ایک گزرتے ہوئے قافلے کی گرد نظر آئی۔ انگلی کے اشارے سے بچوں کو دکھلایا۔ اشارہ پاتے ہی تیزی سے بچے قافلے کی طرف دوڑے اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

رات کا وقت دہشت خیز سناٹا، بھیانک اندھیرا، خوف و ہیبت میں ڈوبا ہوا ماحول اور آغوشِ مادر کی تازہ بچھڑی ہوئی دو جانیں، نہ ہاتھ میں عقل و شعور کا چراغ نہ ساتھ میں کوئی رفیق و رہبر تھوڑی دور چل کر راستہ بھول گئے۔

ہائے رے گردشِ ایام! کل تک جن لاڈلوں کا قدم پھولوں کی سیج پر تھا آج انہی کی راہ میں کانٹوں کی برچھیاں کھڑی تھیں جو اپنے نانا جان کے مزار تک بھی باپ کی انگلیوں کا سہارا لیے بغیر نہیں جا سکتے تھے۔ آج وہ یکہ و تنہا دشتِ غربت میں بھٹکتے پھر رہے تھے کبھی چلنے کی عادت نہیں تھی چلتے چلتے گر پڑتے۔ قدم قدم پہ ٹھوکر لگتی، تلووں میں کانٹے چبھتے تو اُف کر کے بیٹھ جاتے، ہوا سنسناتی تو دہشت سے کانپنے لگتے۔ پتے کھڑکتے تو ننھا سا کلیجہ سہم جاتا۔ درندوں کی آواز آتی تو چونک کر ایک دوسرے سے لپٹ جاتے۔ ڈر لگتا

تو ٹھٹھک جاتے۔ پھر چلنے لگتے۔ کبھی بلک بلک کر ماں کو یاد کرتے۔ کبھی مچل مچل کر باپ کو آواز دیتے۔ کبھی حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکتے اور کبھی ڈبڈبائی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے۔

جب تک پاؤں میں سکت رہی اسی کیفیت کے ساتھ چلتے رہے جب مایوس ہو گئے تو ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے۔

ذرا تقدیر کا تماشہ دیکھیے! کہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ ڈھلتی ہوئی چاندنی ہر طرف بکھر گئی تھی۔ ابن زیاد کی پولیس کا ایک دستہ جو ان بچوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ گشت کرتا ہوا ٹھیک وہیں آکر رکا جونہی بچوں پر نظر پڑی قریب آیا اور دریافت کیا۔

تم کون ہو؟

بچوں نے یہ سمجھ کر کہ یتیموں کے ساتھ ہر شخص کو ہمدردی ہوتی ہے اپنا سارا حال صاف صاف بیان کر دیا۔

ہائے رے بچپن کی معصومی! ان بھولے بھالے نونہالوں کو کیا خبر تھی کہ وہ خون کے پیاسوں کو اپنا پتہ بتا رہے ہیں؟

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہی حضرت مسلم کے دونوں بچے ہیں۔ جلادوں نے انہیں گرفتار کر لیا مشکیں کسیں اور گھسیٹتے ہوئے اپنے ہمراہ لے چلے۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر ڈوبتے ہوئے تاروں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ چاند کا چہرہ فق ہو گیا۔ شدت کرب سے ابن عقیل کے یتیم بلبلا اٹھے۔ دل ہلا دینے والی ایک فریاد صحرا میں گونجی۔

"ہم بن باپ کے بچے ہیں۔ ہماری یتیمی پر رحم کرو۔ رات بھر چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ ہماری مشکیں کھول دو۔ اب اذیت برداشت کرنے کی سکت باقی نہیں ہے۔ نانا جان کا واسطہ ہمارے گھائل جسم پر ترس کھاؤ۔ سنسان جنگل میں یتیموں کی فریاد سن لو۔"

اس نالۂ درد سے دھرتی کا کلیجہ ہل گیا لیکن سنگ دل اشقیاء ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ ترس کھانے کے بجائے ظالموں نے فرط غضب میں پھول جیسے رخساروں

پر طمانچہ مارتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری تلاش میں کئی دن سے آنکھوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ کھانا پینا حرام ہو گیا ہے اور تم راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے جنگل جنگل چھپتے پھر رہے ہو۔ جب تک تم کیفرِ کردار تک پہنچ جاتے تم پر رحم نہیں کیا جائے گا"

طمانچوں کی ضرب سے نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی صورتیں ماند پڑ گئیں اور چہرے پر انگلیوں کے نشانات اُبھر آئے۔

رونے کی بھی اجازت نہیں تھی کہ دل کا بوجھ ہلکا ہوتا۔ ایک گرفتار پنچھی کی طرح سسکتے، لرزتے، کانپتے، سر جھکائے شکنجے میں کسے قدم قدم پر جفا کاروں کے ظلم و ستم کی چوٹ کھاتے رہے۔

اب امید کا چراغ گل ہو چکا تھا، دل کی آس ٹوٹ چکی تھی۔ سب کو آواز دے کر تھک چکے تھے کہیں سے کوئی چارہ گر نہ آیا۔ بالآخر ننھا سا دل مایوسیوں کے ساتھ ساتھ اتھاہ ساگر میں ڈوب گیا۔

اب موت کا بھیانک سایہ دن کے اجالے میں نظر آ رہا تھا۔ اسی عالمِ یاس میں وہ کشاں کشاں کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اپنے مستقر پر پہنچ کر سپاہیوں نے ابنِ زیاد کو خبر دی۔

حکم ہوا تو بچوں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے اور جب تک دمشق سے کوئی اطلاع نہیں آ جاتی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

حکومت کے سپاہی ابنِ زیاد کی ہدایت کے بموجب دونوں بچوں کو داروغۂ جیل کے حوالے کر کے چلے گئے۔ داروغہ نہایت شریف النفس اور دل سے جاں نثارِ اہلِ بیت تھا اس نے نہایت عقیدت و محبّت کے ساتھ ہاشمی شہزادوں کی راحت و آسائش کا انتظام کیا۔

دو پہر رات گذر جانے کے بعد اپنی جان پر کھیل کر اس نے دونوں شہزادوں کو جیل سے باہر نکالا اور اپنی حفاظت میں قادسیہ جانے والی سڑک پر انہیں پہنچا کر ایک انگوٹھی

دی اور اپنے بھائی کا پتہ بتاتے ہوئے کہا کہ قادسیہ پہنچ کر تم اس سے ملاقات کرنا اور بطور نشانی یہ انگوٹھی دکھانا وہ بحفاظت تمام مدینہ پہنچا دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بچوں کو رخصت کیا۔

قادسیہ کی طرف جانے والا کارواں کچھ ہی دُور پر تیار کھڑا تھا۔ بچے بے تحاشا اس کی طرف دوڑے، لیکن نوشتۂ تقدیر نے پھر یہاں اپنا کرشمہ دکھایا۔ پھر گھٹا کی اوٹ سے نکلا ہوا سورج گہنا گیا۔ پھر مدینے کے ان ننھے مسافروں کو وحشتِ غربت کی بلاؤں نے آکے گھیر لیا۔

پھر کچھ دُور چل کر راستہ بھٹک گئے۔ قافلہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔

پھر رات کا وہی بھیانک سناٹا، وہی خوفناک تاریکی، وہی سنسان جنگل، وہی شامِ غربت کا ڈراؤنا خواب، ہر طرف خوں آشام تلواروں کا پہرہ، قدم قدم پہ دہشتوں کا سایہ!

چلتے چلتے پاؤں شل ہو گئے۔ تلوؤں کے آبلے پھوٹ کر بہنے لگے۔ روتے روتے آنکھوں کا چشمہ سوکھ گیا۔

صبح ہوئی تو دیکھا کہ جہاں سے رات کو چلے تھے گھوم پھر کر وہیں موجود ہیں۔

ہائے ربِ تقدیر کا چکر! اس دنیا سے کیڑے مکوڑے اور چرند پرند تک کا اپنا رین بسیرا ہے لیکن خاندانِ نبوّت کے دو ننھے یتیموں کے لئے کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

جب سویرا ہو گیا اور ہر طرف لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو کل کی گرفتاری کا واقعہ یاد کرکے بچے بے قرار ہو گئے۔ دشمن کی نظر سے چھپنے کے لئے ہر طرف نظر دوڑائی لیکن چٹیل میدان میں کوئی محفوظ جگہ نہیں مل سکی۔

حیرانی، بے چارگی، مایوسی اور خوف و ہراس کے عالم میں دونوں بھائی حسرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ننھا سا دل، کم سنی کی عقل، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائیں؟ کیا کریں؟ انجام سوچ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

تھوڑی ہی دُور پر ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا۔

"چلو وہاں ہاتھ منہ دھولیں۔ نمازِ فجر کا وقت بھی ہو گیا ہے خدا کی طرف سے اگر ہمارا آخری وقت آہی گیا ہے تو اب اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔"

چشمے کے قریب پہنچ کر انہیں ایک بہت پُرانا درخت نظر آیا اس کا تنا اندر سے کھوکھلا تھا۔ پناہ کی جگہ سمجھ کر دونوں بھائی اسی میں چھُپ کے بیٹھ رہے۔

ذرا سی آہٹ ہوتی تو دل دھڑکنے لگتا۔ کوئی راہ گیر گذرتا تو دشمن سمجھ کر سہم جاتے۔

ایک پہر دن چڑھنے کے بعد کوفہ کی طرف سے ایک لونڈی پانی بھرنے کی غرض سے چشمے کے کنارے آئی پانی میں برتن ڈبونا ہی چاہتی تھی کہ اسے سطحِ آب پر آدمی کا عکس نظر آیا۔ پلٹ کر دیکھا تو دو ننھے بچے درخت کی کھوہ میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔

سفید پیشانی سے نور کی کرن پھُوٹ رہی تھی لالہ کی طرح دہکتے عارض پہ موسم خزاں کی اُداسی چھاگئی تھی۔

لونڈی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا۔ اے گلشنِ دل ربائی کے نوشگفتہ پھولو! تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟

ایک بار کے ڈسے ہوئے تھے۔ کچھ جواب دینے کے بجائے خوف و دہشت سے لرزنے لگے۔ پھوٹ پھوٹ کر بہنے والے آنسوؤں سے چہرہ تر ابور ہو گیا۔

لونڈی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ناز کے پلے ہوئے لاڈلو! کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو۔ دل سے دہشت نکال دو! یقین کرو میں تمہارے گھر کی بکارن ہوں، دشمن نہیں ہوں۔

تم نہ بھی اپنا پتہ ٹھکانہ بتاؤ جب بھی تمہارا یہ نورانی چہرہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ تم بی بی فاطمہ کی جنت کے پھُول ہو۔

سچ بتاؤ! کیا تم ہی دونوں امام مسلم کے نونہال ہو؟ لونڈی نے چہرے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ فلک نشین شہزادو! کیڑے مکوڑوں کے بھٹ سے باہر نکلو۔ آؤ! میرے دل میں بیٹھو، آنکھوں میں سما جاؤ۔

لونڈی کے اصرار پہ بچے درخت کی کھوہ سے باہر نکلے اور ہمدرد و غم گسار سمجھ کر اس سے اپنا سارا حال بیان کر دیا۔

ان کی دردناک سرگذشت سُن کر لونڈی کا دل ہل گیا۔ آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگیں۔ دل کی بے قرار کیفیت پر قابو پانے کے بعد بچوّں کو چشموں کے کنارے لے گئی آنسو پونچھے، منہ دھلایا بالوں کا غبار صاف کیا اور انہیں دلاسا دیتے ہوئے محفوظ راستے سے اپنے گھر لائی۔ اس کی مالکہ بھی خاندان اہل بیت سے والہانہ عقیدت رکھتی تھی۔

اپنی مالکہ کے سامنے دونوں بچوّں کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

خوش نصیب بی بی! چمنستانِ فاطمی کے دو پھول لے کر آئی ہوں یہ دونوں امام مُسلم کے لاڈلے ہیں۔ بن باپ کے یتیم بچے ہیں، پردیس میں ان کا کوئی نہیں ہے۔ ان کی بے کسی اور یتیمی پہ ترس کھانے کے بجائے ظالم اب ان بے گناہوں کے خون کے درپے ہیں۔ خوف و دہشت سے ننھا سا کلیجہ سُوکھ گیا ہے۔ ہاشمی گھرانے کے یہ دونوں لال ڈر کے مارے درخت کی ایک کھوہ میں چھپے ہوئے تھے۔

بی بی! سورج سوا نیزے پہ آگیا ہے لیکن گہوارۂ مادر سے نکلے ہوئے ان شیر خوار بچوّں کے منہ میں ایک کھیل بھی ابھی تک نہیں پڑی ہے۔

مالکہ یہ سارا ماجرہ سن کر تڑپ گئی گریۂ بے اختیار سے اس کے آنچل کا دامن بھیگ گیا وارفتگی شوق میں بچوّں کو گود میں بٹھا لیا۔ چہرے کی بلائیں لیں، سر پہ ہاتھ پھیرا اور نہلا دھلا کر کپڑے بدلوائے، آنکھوں میں سُرمہ لگایا، زلفیں سنواریں اور کھلا پلا کر ایک محفوظ کوٹھڑی میں آرام کرنے کے لئے بستر لگایا۔

قدم قدم پہ شفقت و پیار کا پھوٹتا ہوا سیلاب دیکھ کر غریب الوطن بچوّں کو ماں یاد آگئی۔ یکایک ماتا کی گود کا پلا ہوا ارمان مچل اٹھا بے تاب ہو کر رونے لگے۔

پھول جیسے رخساروں پہ ڈھلکتے ہوئے آنسو دیکھ کر مالکہ بے چین ہو گئی دوڑ کر سینے سے لپٹا لیا۔ اپنے آنچل کے پلو سے آنسو پونچھے اور تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

آنکھ کے تارو! اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو! تمہارے قدموں پہ میری جان نثار، میری روح صدقے، میں جب تک زندہ رہوں گی تمہارا ہر ناز اٹھاؤں گی۔ تمہارے دم قدم سے میرے ارمانوں کا چمن کھل گیا ہے میرے آنگن میں چھما چھم نور کی بارش ہو رہی ہے۔

رات کی بھیانک سیاہی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ امام مسلمؑ کے یتیم بچوں کی تلاش میں حکومت کے جاسوس اور دنیا کے لالچی کتنے گلی گلی پھر رہے تھے کافی دیر تک گھر کی مالکہ اپنے شوہر "حارث" کے انتظار میں جاگتی رہی۔ ایک پہر رات ڈھل جانے کے بعد وہ ہانپتا کانپتا تھکاماندہ گھر واپس آیا۔

بیوی نے حال دیکھ کر اچنبے سے پوچھا" آج اتنے پریشان و بے حال کیوں نظر آتے ہیں آپ"؟

کچھ دم لینے کے بعد جواب دیا۔

تمہیں شاید خبر نہیں ہے کہ باغی مسلم کے ہمراہ اس کے دو بچے بھی آئے تھے کئی دن تک وہ کوفہ میں روپوش رہے۔ پرسوں صبح کو مدینے کی طرف جانے والے راستے کے قریب انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ کل رات کے کسی حصّے میں داروغہ جیل کی سازش سے وہ فرار ہو گئے۔

ابن زیاد کی طرف سے عام منادی کر دی گئی ہے کہ جو انہیں پکڑ کر لائیگا اُسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

وقت کا سب سے بڑا اعزاز حاصل کرنے کے لئے اس سے زیادہ اچھا موقع اب ہاتھ نہیں آئے گا بیگم؟

صبح سے انہی بچوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ دوڑتے دوڑتے بُرا حال ہے ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔

حارث کی بات سن کر بیوی کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگی۔ مسحور کر دینے والی ایک ادائے دلبرانہ کے ساتھ اس نے اپنے شوہر کو سمجھانا شروع کیا۔

"ابن زیاد آلِ رسول کا خون ناحق بہا کر اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔ دنیا کی آسائش چند روزہ ہے۔ انعام کی لالچ میں جہنم کا ہولناک عذاب مت خریدیئے!

ذرا اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچیئے! کل میدان حشر میں رسول خدا کو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔

حارث کا دل پوری طرح سیاہ ہو چکا تھا بیوی کی باتوں کا کوئی اثر اس کے دِل پہ نہیں ہوا۔
جھنجھلاتے ہوئے جواب دیا۔

" نصیحت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عاقبت کا نفع نقصان میں خود سمجھتا ہوں میرا ارادہ اٹل ہے۔ اپنی جگہ سے کوئی بھی مجھے نہیں ہٹا سکتا!"

سنگ دِل شوہر کی نیتِ بد معلوم ہونے کے بعد منٹ منٹ پہ دِل دھڑک رہا تھا کہ مبادا ظالم کو کہیں بچوں کی بھنک نہ لگ جائے۔ اس لئے جلد ہی اسے کھلا پلا کر سُلا دیا اور جب تک نیند نہیں آگئی، بالیں پہ بیٹھی اسے باتوں میں بہلاتی رہی۔ جب وہ سو گیا تو دبے پاؤں اٹھی اور بچوں کو کوٹھڑی پہ تالا ڈال دیا۔

فکر سے آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ رہ رہ کر دل میں ہوک اٹھتی تھی۔

" ہائے اللہ! حرمِ نبوت کے ان راج دلاروں کو کچھ ہو گیا تو حشر کے دن سیدہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔؟

دنیا قیامت تک میرے منہ پہ تھوکے گی کہ میں نے نبی زادوں کے ساتھ دغا کی۔ انہیں جھوٹا دلاسا دے کر مقتل کی رہ گذر تک لے آئی۔ آہ! میرے عشقِ پارسا کا سارا بھرم لُٹ گیا۔ میرے حسین خوابوں کا تار تار بکھر گیا۔

ہائے! افسوس! اس گھر کو معصوم بچے اپنا ہی گھر سمجھ رہے ہوں گے کہیں یہ راز فاش ہو گیا تو ان کے ننھے دِل پہ کیا گذرے گی۔ وہ مجھے اپنے تئیں کیا سمجھیں گے؟ لیکن میرے دِل کا حال تو خدا اور اس کے رسول سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو جیتے جی لاڈلوں کی جان پر کوئی آفت نہیں آنے دُوں گی۔

یا اللہ! مجھے اپنے محبوبوں کے عشق میں ثابت قدم رکھ، ان کے آنسوؤں کا گوہر ٹپکنے سے پہلے میرے جگر کا خون ارزاں کر دے۔"

رات کا پچھلا پہر تھا۔ کوفے کی بدنصیب آبادی پہ ہر طرف نیند کی خموشی چھائی ہوئی تھی حارث بھی اپنے گھر میں بے خبر سو رہا تھا۔

دونوں بچے بند کوٹھڑی میں محوِ خوابِ ناز تھے کہ اسی درمیان انہوں نے ایک نہایت درد

ناک اور ہیجان انگیز خواب دیکھا۔

چشمۂ کوثر کی سفید موجوں سے نور کی کرن پھوٹ رہی ہے باغِ فردوس کی شاہراہوں پر چاندنی کا غلاف بچھا دیا گیا ہے۔ قریب ہی کچھ فاصلے پر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولائے کائنات حضرت حیدر، بنت رسول حضرت فاطمہ زہراء اور شہید مظلوم حضرت امام مسلم رضوان اللہ علیہم جلوہ فرما ہیں۔

دونوں بچوں پر نظر پڑتے ہی سرکارؐ نے امام مسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

مسلم! تم خود تو آ گئے اور جور وستم کا نشانہ بننے کے لئے ہمارے جگر پاروں کو اشقیاء کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے؟

حضرتِ مسلم نے نیچی نگاہ کئے جواب دیا وہ بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں حضور! بہت قریب آ چکے ہیں بس دو چار قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ خدا نے چاہا تو کل کا سورج طلوع ہوتے ہی وہ دامنِ رحمت کی ٹھنڈی چھاؤں میں مچل رہے ہوں گے۔

یہ خواب دیکھ کر دونوں بھائی چونک پڑے۔ بڑے نے چھوٹے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ ہماری شبِ زندگی کی سحر ہو گئی۔

"بھیّا! اٹھو! بابا جان نے خبر دی ہے کہ اب ہم چند گھنٹے کے مہمان ہیں۔ حوضِ کوثر پہ نانا حضور ہمارے انتظار میں کھڑے ہیں۔ دادی اماں نہایت بے تابی کے ساتھ ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔

"بھیّا! صبر کرلو! اب دشمنوں کی خون آشام تلواروں کی زد سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے اب مدینے لوٹ کر جانا نصیب نہیں ہوگا۔ ہائے! امی جان۔ اب آخری وقت میں بھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

چھوٹے بھائی نے ڈبڈباتی آواز میں جواب دیا۔

"بھائی جان! مَیں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے کیا سچ مچ ہم لوگ کل صبح کو قتل کر دیئے جائیں گے۔؟

ہائے! ایک دوسرے کو ذبح ہوتے ہم کیسے دیکھ سکیں گے بھیّا؟"

یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

فضا بھی تاک ہی میں تھی۔ نالۂ بے اختیار کی آواز سے جلّاد حارث کی آنکھ کھل گئی آہ۔ سوئی ہوئی قیامت اٹھی۔

ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا۔

"یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے"

صورتِ حال کی نزاکت سے بیوی کا کلیجہ سوکھ گیا۔

اس نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

"سو جائیے! کہیں پڑوس کے بچّے رو رہے ہوں گے۔"

سنگ دل نے تیور بدل کر کہا۔

پڑوس سے نہیں ہمارے گھر سے یہ آواز آ رہی ہے۔ ہو نہ ہو یہ وہی مسلم کے بچّے ہیں جن کی تلاش میں کئی دن سے میں سرگرداں ہوں" یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اس کوٹھڑی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا اندر جا کر دیکھا تو دونوں بچّے روتے روتے بے حال ہو گئے تھے۔

کرخت لہجے میں دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ اچانک اس اجنبی آواز سے بچّے سہم گئے لیکن چونکہ اس گھر کو اپنا دارالامان سمجھے ہوئے تھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی تامّل نہ ہوا کہ ہم امام مُسلم کے یتیم بچّے ہیں۔"

یہ سُن کر ظالم غصّے سے دیوانہ ہو گیا۔" میں تو چاروں طرف ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو رہا ہوں اور آپ لوگوں نے ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر لگایا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور نہایت ہی بے رحمی سے ان ننھّے یتیموں کے رخساروں پر طمانچے برسانا شروع کئے۔ شدّتِ کرب سے دونوں بھائی بلبلا اٹھے۔ بے تحاشا بیوی دوڑی اور یہ کہتے ہوئے درمیان میں حائل ہو گئی۔

ارے ظالم! یہ کیا کر رہا ہے؟ ارے یہ فاطمہ کے راج دُلارے ہیں ان کی چاند

جیسی صورتوں پہ ترس کھا۔

ہاتھ روک لے ستمگر! جنت کے پھولوں کا سہاگ مت لوٹ! چمنستانِ قدس کی نازک کلیوں کو گھائل مت کر!

بن باپ کے دکھیاروں کا کچھ تو خیال کر ظالم! پھر ماں تا کی جھونک میں اٹھی اور اس کے قدموں پہ اپنا سر پٹکنے لگی۔ لے! میرا سر کچل کر اپنی ہوس کی آگ بجھا لے لیکن فاطمہ کے جگر پاروں کو بخش دے۔"

غصّے میں چور سنگ دل شوہر نے اُسے اتنے زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ پتھر کے ایک ستون سے ٹکرا کر لہو لہان ہو گئی۔

طمانچے مارتے مارتے جب تھک گیا تو شقیٔ ازلی نے دونوں بھائیوں کی مشکیں کسیں اور غلافِ کعبہ کی سی لٹکتی ہوئی زلفوں کو زور سے کھینچا اور آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا۔

مارے دہشت کے بچّوں کا خون سوکھ گیا۔ حلق کی آواز پھنس گئی۔ آنکھوں کے آنسو جل گئے۔

اس کے بعد سیہ بخت یہ کہتا ہوا کوٹھڑی کے باہر نکل آیا۔" جس قدر تڑپنا ہے صبح تک تڑپ لو، دن نکلتے ہی میری چمکتی ہوئی تلوار تمہیں ہمیشہ کے لئے چین کی نیند سُلا دے گی۔"

دروازہ مقفّل تھا۔ اندر کا حال خدا جانے، ویسے ننھی جانوں میں اب تاب ہی کہاں تھی کہ نالوں کا شور بلند ہوتا۔ البتّہ زنداں کی کوٹھڑی سے تھوڑے تھوڑے وقفے پہ آہستہ آہستہ کراہنے کی آواز سنائی پڑتی تھی۔

بُلا لاؤ قیامت کو! بڑا ناز ہے اسے مناظر کی ہولناکی پہ، سوا نیزے والے آفتاب کی روشنی میں اور وہ بھی سیّدہ کے شیر خوار بچّوں کی اسیری کا تماشہ دیکھ لے!

اور ذرا محشریوں کو بڑھ کر آواز دو! وہ بھی گواہ ہو جائیں کہ جس محمدؐ عربی کے اشارۂ ابرو پر کل ان کی بیڑیاں ٹوٹ کے گرنے والی ہیں آج انہی کی گود کے لاڈلے زنجیروں میں

بِسک رہے ہیں۔

ہائے رے! مقامِ بلند کی قیامت آرائیاں! بڑے بڑے لالہ رخوں، مہ جبینوں اور گل رُدیوں کا نگار خانۂ جمال تو نے دِن دھاڑے لوٹ لیا ہے اور تیرے خلاف کہیں داد و فریاد بھی نہیں ہو سکی ہے۔

ارمانوں کے خون کی سُرخیاں لیے ہوئے لرزتی کانپتی سحر طلوع ہوئی، گھنے بادلوں کی اوٹ میں منہ چھپائے سورج نکلا، جونہی دشمنِ ایمان نے اپنی خوں آشام تلوار اٹھائی، زہر میں بُجھا ہوا خنجر سنبھالا اور خونخوار درندے کی طرح کوٹھڑی کی طرف لپکا۔ نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ جفاکار نے اتنے زور سے اُسے جھٹکا دیا کہ سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور وہ آہ کر کے زمین پہ گر پڑی۔

بیوی کو گھائل کرنے کے بعد جوشِ غضب میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں ننگی تلوار اور چمکتا ہوا خنجر دیکھ کر دونوں بھائی لرز گئے۔ خوف سے نرگسی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ابھی وہ اس ہولناک دہشت سے کانپ ہی رہے تھے کہ سیہ بخت نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بے دردی کے ساتھ انہیں گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تکلیف کی شدت سے معصوم بچے تلملا اٹھے۔ پچھاڑیں کھا کھا کر اس کے قدموں پہ سر پٹکنے لگے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر آہ و فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو نہ ترس آنا تھا نہ آیا۔

لہو میں تر اور پاک طینت بیوی پھر اٹھی اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرجتے ہوئے کہا۔ آخر گھسیٹ کر کہاں لے جا رہا ہے ان بے گناہ مسافروں کو؟ دشمنی تھی تو ان کے باپ سے تھی۔ چار دن کے معصوم بچوں سے کیا دشمنی ہے جو تو ان کا خون بہانے پر تُلا ہوا ہے؟

ساری دنیا یتیم بچوں پر ترس کھاتی ہے اور تو رات سے انہیں شکنجے میں کسے ہوئے ہے۔ پتھروں سے مار مار کر تو نے ان کا پھول سا چہرہ لہو لہان کر دیا ہے۔ رحمتوں کی گھٹا کی طرح لٹکتی ہوئی زلفوں کو تو اتنی بے دردی کے ساتھ گھسیٹ رہا ہے کہ بالوں کی جڑوں سے خون بہنے لگا۔

رات سے اب تک مدینے کے یہ نازنین بے آب و دانہ لگاتار تیرے ظلم و ستم کی چوٹ کھا رہے ہیں اور تجھے ان کی کم سنی پر بھی ترس نہیں آتا۔ پردیس میں ان کا حامی و مددگار نہیں ہے اس لئے بے سہارا سمجھ کر تو انہیں تڑپا تڑپا کے مار رہا ہے۔ جس نبی کا کلمہ پڑھتا ہے وہ اگر اپنی تربت سے نکل آئیں تو کیا ان کے رُو برُو بھی ان کے نازنین شہزادوں کے ساتھ تو ایسا سلوک کر سکے گا؟

تیرے بازوؤں میں بڑا کس بل ہے تو کسی کڑیل جوان سے پنجہ لڑا۔ دُودھ پیتے بچوں پہ کیا اپنی شہ زوری دِکھلاتا ہے"

اس کے سینے میں غیرتِ ایمانی کا جوش اُبل پڑا تھا اپنی جان پر کھیل کر اب وہ رفاقتِ حق کا آخری فیصلہ کر دینا چاہتی تھی۔

جذبات میں بے قابو ہو کر اس نے جیسے ہی بچوں کو اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کی، اس بدبخت نے ایک بھرپور ہاتھ کا گھونسا اس کے سینے پہ مارا اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ لونڈی سامنے آئی تو وہ بھی اس کے تیغ ستم سے گھائل ہوئی۔

اس کے بعد شکنجے میں کسے ہوئے دونوں بھائیوں کو گھسیٹ کر وہ باہر لایا اور سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا۔

رسیوں میں جکڑے ہوئے مُسلم یتیم زندانی اب مقتل کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ مایوس چہرے پہ بے بسی کی حسرت برس رہی تھی۔ دم بہ دم دل کی دھڑکن تیز ہوتی جاتی تھی۔

رہ رہ کر بچھڑی ہوئی ماں کی آغوش، شفقت و پیار کا گہوارہ مدینے کا دارالامان اور حجرۂ عائشہ میں گیتی کی آخری پناہ گاہ یاد آ رہی تھی۔

کچلے ہوئے ارمانوں کے ہجوم میں چھوٹے بھائی کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ طویل خاموشی کے بعد اب آنسوؤں کا تھما ہوا طوفان اُبل پڑا۔ بڑے بھائی نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

جانِ عزیز صبر کرو! ہمت سے کام لو! اب زندگی کی گنتی کے چند سانسیں باقی رہ گئی

ہیں انہیں بے تابیوں کے ہیجان سے رائیگاں مت کرو۔

وہ دیکھو دریائے فرات کی سطح پر چشمۂ کوثر کی سفید موجیں ہمیں سر اٹھائے دیکھ رہی ہیں اب اس جہان بے وفا سے اپنا لنگرا اٹھالو۔ چند قدم کے بعد عالمِ جاوید کی سرحد شروع ہو رہی ہے بس دو گھڑی میں اس جفا پیشہ دنیا کی دسترس سے باہر نکل جائیں گے۔"

تھوڑی دور چلنے کے بعد دریائے فرات نظر آنے لگا۔ جلاّد نے اپنی تلوار چمکاتے ہوئے کہا۔

"سانپ کے بچّو! دیکھ لو اپنا مقتل! یہیں تمہارا سر قلم کرکے سارے جہان کے لئے ایک عبرت ناک تماشہ چھوڑ جاؤں گا۔"

یہ سن کر بچوں کا خون سوکھ گیا۔ کنارے پہنچ کر شقیٔ ازلی نے انہیں خچر سے اتارا مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔

اب دونوں کھلی آنکھوں سے سر پہ منڈلاتی ہوئی قضا دیکھ رہے تھے۔ بے بسی کے عالم میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف تکنے لگے۔

جونہی بھویں تانے، تیور چڑھائے قتل کے ارادے سے اس نے اپنی تلوار بے نیام کی، مظلوم بچوں نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھاکر رحم کی درخواست کی۔

اتنے میں ہانپتی کانپتی، گرتی پڑتی پیکرِ وفا بی بی بھی آ پہنچی آتے ہی اس نے پیچھے سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک عاجز، درماندہ کی طرح خوشامد کرتے ہوئے کہا

"خدا کے لئے اب بھی مان جاؤ۔ آلِ رسولؐ کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو۔ رحم و غمگساری کے جذبے میں ذرا ایک بار آنکھ اٹھاکر دیکھو! بچوں کی ننھی جان سوکھی جا رہی ہے تلوار سامنے سے ہٹا لو۔"

نفس کا شیطان پوری طرح مسلّط ہو چکا تھا۔ ساری منّت و سماجت بیکار چلی گئی۔ غصّے میں بھر پور تلوار کا ایک وار بیوی پہ چلایا وہ پیکرِ ایمان گھائل ہوکر تڑپنے لگی۔

بچے یہ دردناک منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اب سیہ بخت جلاّد اپنی خون آلود تلوار لے

کر بچوں کی طرف بڑھا۔ چھوٹے بھائی پہ وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔

"خدا را پہلے مجھے ذبح کرو۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش میں نہیں دیکھ سکوں گا"

چھوٹے بھائی نے سر جھکائے ہوئے خوشامد کی: "بڑے بھائی کا قتل کا منظر مجھ سے ہرگز نہ دیکھا جائیگا۔ خدا کے لئے پہلے میرا سر قلم کرو۔

اِس لرزہ خیز منظر پہ عالمِ قدس میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ شہنشاہِ کونین کلیجہ تھامے ہوئے مشیت کی ادا پر صابر و شاکر تھے۔ سیدہ کی روح مچل مچل کر عرشِ الٰہی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ عالمِ گیتی کو تہ و بالا کر دے لیکن قدم قدم پہ سرکار کی پُرنم آنکھیں کا اشارہ انہیں روک رہا تھا۔

حیدرِ خیبر شکن اپنی تیغ ذوالفقار لئے ہوئے سرکار کی جنبش لب کے منتظر تھے کہ آن واحد میں جفا شعاروں کو کیفر کردار تک پہنچا دیں۔ روح الامین بال و پر گرائے دم بخود تھے۔ رضوان کوثر و تسنیم کا ساغر لئے انتظار میں کھڑا تھا۔ عالمِ برزخ میں ہل چل مچی ہوئی تھی ملکوتِ اعلیٰ پر سکتہ طاری تھا کہ ایک مرتبہ بجلی چمکی، ستارہ ٹوٹا اور فضا میں دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں۔

مرکزِ عالم ہل گیا۔ چشمِ فلک جھپک گئی۔ ہوائیں رُک گئیں دھارے تھم گئے اور دھرتی کا کلیجہ شق ہوگیا۔ حیرت کا طلسم ٹوٹا تو امام مُسلم کے یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خُون میں تڑپ رہے تھے اور لاشیں دریائے فرات کی لہروں کی گود میں ڈوبتی جا رہی تھیں۔

سلام ہو تم پر اے محمّد و ابراہیم اے امام مُسلم کے راج دلارو تمہارے مقدس خون کی سُرخی سے آج تک گلشنِ اسلام کی بہاروں کا سہاگ قائم ہے۔

خدائے غافر و قدیر تمہاری ننھی تربتوں پہ شام و سحر رحمت و نور کی بارش برسائے ؎

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

نوٹ: اس مضمون میں "معصوم" کا لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں ہے جن معنوں میں شیعہ حضرات کے یہاں رائج ہے۔
(علامہ ارشد القادری)

تاراجِ کاروانِ سادات

میدانِ کربلا سے گنبدِ خضرا تک

کربلا کی دوپہر کے بعد کی رقت انگیز داستان سننے سے پہلے ایک لرزہ خیز اور درد ناک منظر نگاہوں کے سامنے لایئے۔

صبح سے دوپہر تک خاندانِ نبوت کے تمام چشم و چراغ جملہ اعوان و انصار ایک ایک کرکے شہید ہو گئے۔ سب نے دم رخصت دل کی زخمی سطح پر ایک نئے داغ کا اضافہ کیا ہر تڑپتی ہوئی لاش کی آخری ہچکیوں پر امام عالی مقام میدان میں پہنچے، گود میں اٹھایا، خیمے تک لائے۔ زانو پہ سر رکھا اور جاں نثار نے دم توڑ دیا۔

نظر کے سامنے جن لاشوں کا انبار ہے ان میں جگر کے ٹکڑے بھی ہیں اور آنکھ کے تارے بھی۔ بھائی اور بہن کے لاڈلے بھی اور باپ کی نشانیاں بھی — ان بے گور و کفن جنازوں پہ کون ماتم کرے۔ کون آنسو بہائے اور کون جلتی ہوئی آنکھوں پر تسکین کا مرہم رکھے تنہا ایک "حسین" اور دونوں جہان کی امیدوں کا ہجوم ایک عجیب درد انگیز بے بسی کا عالم ہے۔ قدم قدم پہ نئی قیامت کھڑی ہوتی ہے۔ نفس نفس میں الم و اندوہ کے نئے نئے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔

دوسری طرف حرم نبوت کی خواتین ہیں۔ رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں، سوگوار مائیں اور آشفتہ حال بہنیں ہیں اُن میں وہ بھی ہیں جن کی گودیں خالی ہو چکی ہیں جن کے سینے سے اولاد کی جدائی کا زخم رس رہا ہے۔ جن کی گود سے شیر خوار بچہ بھی چھین لیا گیا ہے اور جن کے بھائیوں بھتیجوں اور بھانجوں کے بے گور و کفن لاشے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔

روتے روتے آنکھوں کا چشمہ سوکھ گیا ہے۔ تن نیم جاں میں اب تڑپنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ عورت ذات کے دل کا آبگینہ یونہی نازک ہوتا ہے ذرا سی ٹھیس جو

برداشت نہیں کر سکتا آہ! اُس پر آج پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔

سب کے سب جامِ شہادت نوش کر چکے اب تنہا ایک ابنِ حیدر کی ذات باقی رہ گئی ہے جو لٹے ہوئے قافلے کی آخری امید گاہ ہیں۔ آہ! اب وہ بھی رختِ سفر باندھ رہے ہیں۔ خیمے میں ایک کہرام بپا ہے۔ کبھی بہن کو تسکین دیتے ہیں، کبھی شہر بانو کو تلقین فرما رہے ہیں، کبھی لختِ جگر عابدِ بیمار کو گلے سے لگاتے ہیں اور کبھی کمسن بہنوں اور لاڈلی شہزادیوں کو یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ امید و بیم کی کش مکش ہے۔ فرض کا تصادم ہے خون کا رشتہ دامن کھینچتا ہے۔ ایمان کا اشتیاق مقتل کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ہمارے بعد اہلِ خیمہ کا کیا حال ہوگا۔ پردیس میں حرم کے یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ دشمن کیا سلوک کریں گے۔

دوسری طرف شوقِ شہادت دامن گیر ہے ملت کی تطہیر اور حمایتِ حق کا فرض نیزوں پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے۔

بالآخر اہلِ بیت کے ناخدا، کعبہ کے پاسبان نانا جان کی شریعت کے محافظ حضرت امام بھی اب سر کے کفن باندھ کر رن میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

اہلِ حرم کو تڑپتا بلکتا اور سسکتا چھوڑ کر حضرت امام خیمہ سے باہر نکلے اور لشکرِ اعداء کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اب ذرا سا ٹھہر جائیے اور آنکھیں بند کر کے منظر کا جائزہ لیجئے۔ ساری داستان میں یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کا کلیجہ شق ہو جاتا ہے بلکہ پتھروں کا جگر پانی ہو کر بہنے لگتا ہے۔ تین دن کا ایک بھوکا پیاسا مسافر تنِ تنہا بائیس ہزار تلواروں کے نرغے میں ہے دشمنوں کی خونریز یلغار چاروں طرف سے بڑھتی چلی آ رہی ہے، دروازے پر اہلِ بیت کی مستورات اشکبار آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی ہیں منٹ منٹ پر درد و غم کے اتھاہ ساگر میں دل ڈوبتا جا رہا ہے۔ کبھی منہ سے چیخ نکلتی ہے کبھی آنکھیں جھپک جاتی ہے ہائے رے! تسلیم و رضا کی وادیٔ بے امان! پھولوں کی پنکھڑی پہ قدم رکھنے والی شہزادیاں آج انگاروں پہ لوٹ رہی ہیں جن کے اشارۂ ابرو سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ

آتا ہے آج انہیں کے ارمانوں کا سفینہ نظر کے سامنے ڈوب رہا ہے اور زبان نہیں کھلتی۔

دیکھنے والی آنکھیں اپنے امیر کشور کو، اپنے مرکزِ امّید کو، اپنے پیارے حسینؑ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں کہ ایک نشانے پر ہزاروں تیر چلے۔ تلواریں بے نیام ہوئیں فضا میں نیزوں کی انی چمکی اور دیکھتے دیکھتے فاطمہؑ کا چاند گہن میں آگیا۔ زخموں سے چور، خون میں شرابور، سیّدہ کا راج دُلارا جیسے ہی فرشِ زمین پہ گرا کائنات کا سینہ دہل گیا، کعبے کی دیواریں ہل گئیں۔ چشمِ فلک نے خون برسایا۔ خورشید نے شرم سے منہ ڈھانپ لیا اور گیتی کی ساری فضا ماتم و اندوہ سے بھر گئی۔

اُدھر ارواحِ طیّبات اور ملائکہ رحمت کے جلو میں جب شہیدِ اعظم کی مقدس روح عالمِ بالا میں پہنچی اور ہر طرف ابنِ حیدر کی امامت و یکتائی کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

اُدھر خیمے میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ صبر و شکیب کا خرمن جل رہا تھا۔ یتیموں بیواؤں اور سوگواروں کی آہ و فغاں سے دھرتی کا کلیجہ پھٹ گیا۔ امیدوں کی دُنیا لٹ گئی۔ آہ۔ بیچ منجدھار میں کشتی کا ناخدا بھی چل بسا۔

اب بنو ہاشم کے یتیم کہاں جائیں؟ کس کا منہ تکیں؟ کاشانۂ نبوّت کی وہ شہزادیاں جن کی عفت سرا میں روح الامین بھی بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ نسیم صبا بھی جن کے آنچلوں کے قریب پہنچ کر ادب کے سانچے میں ڈھل جائے۔ آج کربلا کے میدان میں کون ان کا محرم ہے جس سے اپنے دکھ درد کی بات کہیں۔

ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ ہمارے یہاں ایک میّت ہو جاتی ہے تو گھر والوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ غم گساروں کی بھیڑ اور چارہ گروں کی تلقین صبر کے باوجود آنسو نہیں تھمتے۔ اضطراب کی آگ نہیں بجھتی اور نالہ و فریاد کا شور نہیں کم ہوتا۔ پھر کربلا کے میدان میں حرم کی ان سوگوار عورتوں پر کیا گذری ہو گی جن کے سامنے بیٹوں۔ شوہروں اور عزیزوں کی لاشوں کا انبار لگا ہوا تھا جو غم گساروں اور شریکِ حال ہمدردوں کے جھرمٹ میں نہیں خونخوار دشمنوں اور سفاک درندوں کے نرغے میں تھیں۔

امامِ عالی مقام کا سر قلم کرنے کے بعد کوفیوں نے بدن کے پیراہن اتار لیے۔ جسمِ اطہر پر تیر‌وں کے ۳۲ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے ابنِ سعد کے حکم پر یزیدی فوج کے دس نابکاروں نے سیدہ کے لختِ جگر کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔

حضرت زینبؓ اور شہر بانوؓ خیمے سے یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر بلبلا اٹھیں اور چیخ مار کر زمین پر گر پڑیں۔ اس کے بعد شمر اور ابنِ سعد دندناتے ہوئے خیمے کی طرف بڑھے بدبخت شمر نے اندر گھس کر پردگیانِ حرم کی چادریں چھین لیں۔ سامان لوٹ لیا۔ حضرت زینبؓ بنتِ علیؓ نے غیرت و اضطراب کی آگ میں سلگتے ہوئے کہا:

"شمر! تیری آنکھیں پھوٹ جائیں تو رسول اللہ کی بیٹیوں کو بے پردہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے چہروں کے محافظ شہید ہو گئے۔ اب دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے۔ یہ مانا کہ ہماری بے بسی نے تجھے دلیر بنا دیا ہے لیکن کیا کلمہ پڑھانے کا احسان بھی تو بھول گیا؟ سنگ دل ظالم! ناموسِ محمدؐ کی بے حرمتی کر کے قہرِ خداوندی کو حرکت میں نہ لا۔ تجھے اتنا بھی لحاظ نہیں ہے کہ ہم اسی رسول کی نواسیاں ہیں جس نے حاتم طائی کی قیدی لڑکی کو اپنی چادر اُڑھائی تھی۔

حضرتِ زینبؓ کی گرجتی ہوئی آواز سن کر عابدِ بیمار لڑکھڑاتے ہوئے اپنے بستر سے اٹھے اور شمر پر تلوار اٹھانا چاہتے تھے کہ ضعف و نقاہت سے زمین پر گر پڑے شمر نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ یہ امام حسینؓ کی آخری نشانی ہے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے بھی قتل کر ڈالو تاکہ حسینؓ کا نام و نشان دنیا سے بالکل مٹ جائے لیکن ابنِ سعد نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور یہ معاملہ یزید کے حکم پر منحصر رکھا۔

شام ہو چکی تھی۔ یزیدی فوج کے سردار جشنِ فتح میں مشغول ہو گئے۔ ایک رات پہر گئے تک سرود و نشاط کی محفل گرم رہی۔

اِدھر خیمے والوں کی یہ شامِ غریباں قیامت سے کم نہیں تھی۔ حرم کے پاسبانوں کے گھر میں چراغ بھی نہیں جل سکا تھا۔ ساری فضا سوگ میں ڈوب گئی تھی۔ مقتل میں امام کا کچلا ہوا لاشہ بے گور و کفن پڑا تھا۔ خیمے کے قریب گلشنِ زہرا کے پامال پھولوں پر درد

ناک حسرت برس رہی تھی۔ رات کی بھیانک اور وحشت خیز تاریکی میں اہلِ خیمہ چونک پڑتے تھے۔ زندگی کی یہ پہلی سوگوار اور اداس رات حضرت زینب اور حضرت شہر بانو سے کاٹے نہیں کٹ رہی تھی۔ رات بھر خیمے سے سسکیوں کی آواز آتی رہی۔ آہوں کا دھواں اٹھتا رہا اور روحوں کے قافلے اترتے رہے آج پہلی رات تھی کہ خدا کا گھر بسانے کے لیے اہلِ حرم نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔

پردیس، چٹیل میدان، مقتل کی زمین، خاک و خون میں لپٹے ہوئے چہرے، میت کا گھر، بالیں کے قریب ہی بیمار کے کراہنے کی آواز، بھوک اور پیاس کی ناتوانی۔ خونخوار درندوں کا نرغہ، مستقبل کا اندیشہ، ہجر و فراق کی آگ، آہ! کلیجہ شق کر دینے والے سارے اسباب مقتل کی پہلی رات میں جمع ہو گئے تھے۔

بڑی مشکل سے صبح ہوئی، اجالا پھیلا اور دن چڑھنے پر ابنِ سعد اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ اونٹنی لے کر اس کی ننگی پیٹھ پہ حضرت زینب، حضرت شہر بانو اور حضرت زین العابدین سوار کرائے گئے۔ پھول کی طرح نرم و نازک ہاتھوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا عابد بیمار اپنی والدہ اور پھوپھی کے ساتھ اس طرح باندھ دیئے گئے کہ ذرا سا جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے اونٹوں پر باقی خواتین اور بچیاں اسی طرح رسیوں میں بندھی ہوئی سوار کرائی گئیں۔ اہلِ بیت کا یہ لٹا پٹا قافلہ جس وقت کربلا کے میدان سے رخصت ہوا اس وقت قیامت خیز منظر ضبطِ تحریر سے باہر ہے۔

واقعۂ کربلا کے ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ خولی جگر گوشۂ بتول کا سر مبارک نیزے پہ لٹکائے ہوئے اسیرانِ حرم کے اونٹ کے آگے آگے تھا پیچھے ۷۲ شہداء کے کٹے ہوئے سر دوسرے اشقیاء لیے ہوئے تھے۔

خاندانِ رسالت کا یہ تاراج قافلہ جب مقتل کے قریب سے گذرنے لگا تو حضرت امام کی بے گور و کفن نعش اور دیگر شہدائے حرم کے جنازوں پہ نظر پڑتے ہی خواتین اہلِ بیت بیتاب ہو گئیں۔ دل کی چوٹ ضبط نہ ہو سکی۔ آہ و فریاد کی صدا سے کربلا کی زمین ہل گئی۔

عابد بیمار شدتِ اضطراب سے غش پہ غش کھا رہے تھے اور حضرت شہر بانو انہیں کسی طرح سنبھالا دے رہی تھیں۔ قیامت کا یہ دل گداز منظر دیکھ کر پتھروں کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی لاڈلی بیٹی حضرت زینب کا حال سب سے زیادہ رقت انگیز تھا صدمۂ جانکاہ کی بے خودی میں انہوں نے مدینے کی طرف رخ کر لیا اور دل ہلا دینے والی آواز میں اپنے نانا جان کو مخاطب کیا۔

یا محمداہ! آپ پہ آسمان کے فرشتوں کا سلام ہو۔ یہ دیکھئے آپ کا لاڈلا حسین ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون میں آلودہ، تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ نعش کو گور و کفن بھی میسر نہیں ہے۔ نانا جان! آپ کی تمام اولاد قتل کر دی گئی۔ ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے آپ کی بیٹیاں قید ہیں۔ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں مشکیں کسی ہوئی ہیں۔ پردیس میں کوئی ان کا یاور آشنا سا نہیں۔ نانا جان! اپنے یتیموں کی فریاد کو پہنچئے۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ دوست دشمن کوئی ایسا نہ تھا جو حضرت زینب کے اس بیان پہ آبدیدہ نہ ہو گیا ہو۔

اسیرانِ حرم کا قافلہ اشکبار آنکھوں اور جگر گداز سسکیوں کے ساتھ کربلا سے رخصت ہو کر کوفے کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام ہو چکی تھی ایک پہاڑ کے دامن میں یزیدی فوج کے سرداروں نے پڑاؤ ڈالا۔ اسیرانِ اہلِ بیت اپنی اپنی سواریوں سے اتار لیے گئے۔

چاندنی رات تھی۔ رسیوں میں جکڑے ہوئے حرم کے یہ قیدی رات بھر سسکتے رہے پیشانی میں مچلتے ہوئے سجدوں کے لیے بھی ظالموں نے رسیوں کی بندھن ڈھیلی نہ کی۔ پچھلے پہر حضرت زینب مناجات میں مشغول تھیں کہ ابن سعد قریب آیا اور اس نے طنز کرتے ہوئے دریافت کیا۔ قیدیوں کا کیا حال ہے؟ کئی بار پوچھنے کے بعد حضرت زینب نے منہ ڈھانپ کر جواب دیا خدا کا شکر ہے۔ نبی کا چمن تاراج ہو گیا۔ ان کی اولاد قید کر لی گئی۔ رسیوں سے تمام جسم نیلے پڑ گئے ہیں۔ ایک بیمار جو نیم جاں ہو چکا ہے اس پر بھی تجھ کو ترس نہیں آتا— اور نہیں تو ہماری بے کسی کا تماشہ دکھانے اب تو ہمیں ابن زیاد اور یزید کی قربان گاہ میں لے جا

رہا ہے۔

اتنا کہتے کہتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ حضرت زین العابدین نے پھوپھی کو تسلی دی اور کہا "خون کے قاتلوں سے جور و ستم کا شکوہ ہی کیا ہے۔ پھوپھی جان!

"بس ایک آرزو ہے کہ بابا جان کا سر میری گود میں کوئی لا کر ڈال دے اور میں اسے اپنے سینے سے لگا لوں"

ابن سعد نے کہا۔ گود میں نہیں تیرے قدموں کی ٹھوکر پہ ڈال سکتا ہوں تو اگر راضی ہو تو اقرار کر۔

ظالم نے پھر زخموں پہ نمک چھڑکا۔ پھر حرم کے قیدی تلملا اٹھے۔ اضطراب میں بجھی ہوئی ایک آواز کان میں آئی۔

"بدبخت! نوجوانانِ جنت کے سردار سے گستاخی کرتا ہے۔ کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ یہ کٹا ہوا سر اب بھی دو جہان کا مالک ہے۔ ذرا غور سے دیکھ! بوسہ گاہِ رسول پر انوار و تجلیات کی کیسی بارش ہو رہی ہے؟ صرف جسم سے رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ عرش کا رابطہ اب بھی قائم ہے"

اس آواز پر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اسی عالمِ اندوہ میں اسیرانِ اہلِ بیت کا یہ تاراج قافلہ کوفہ پہنچا۔ مارے شرم و ہیبت کے ابن سعد نے شہر کے باہر جنگل میں قیام کیا۔

رات کے سناٹے میں حضرت زینب مناجات و دعا میں مشغول تھیں۔ ایک ہلکی آواز کان میں آئی۔

"بی بی میں حاضر ہو سکتی ہوں؟"

نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک بڑھیا سر پر چادر ڈالے منہ چھپائے سامنے کھڑی ہے۔ اجازت ملتے ہی قدموں پر گر پڑی اور دست بستہ عرض کی۔

میں ایک غریب و محتاج عورت ہوں۔ بھوکے پیاسے آلِ رسول کے لیے تھوڑا سا کھانا لے پانی لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ بی بی میں غیر نہیں ہوں۔ ایک مدت تک شہزادیٔ رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کی کنیزی کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس زمانے

کی بات ہے جبکہ سیّدہ کی گود میں ایک ننھی منّی بچی تھی جس کا نام زینب تھا۔

حضرت زینب نے ابلتے ہوئے جذبات پر قابو پاکر جواب دیا۔ تو نے اس جنگل اور پردیس میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ خدا تجھے دارین میں خوشی عطا فرمائے۔

بڑھیا کو جب معلوم ہوا کہ یہی حضرت زینب ہیں تو چیخ مار کر گلے سے لپٹ گئی اور اپنی جان بنت رسول کے قدموں پر نثار کر دی۔

عشق و اخلاص کی تاریخ میں ایک نئے شہید کا اضافہ ہوا۔

دوسرے دن ظہر کے وقت اہل بیت کا لٹا ہوا کارواں کوفے کی آبادی میں داخل ہوا۔ بازار میں دونوں طرف سنگ دل تماشائیوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ خاندانِ نبوت کی بیبیاں شرم و غیرت سے گڑی جا رہی تھیں۔ سجدے میں سر جھکا لیا تھا کہ معصوم چہروں پر غیر محرم کی نظر نہ پڑ سکے۔ وفورِ غم سے آنکھیں اشکبار تھیں۔ دل رو رہے تھے۔ اس احساس سے زخموں کی ٹیس اور بڑھ گئی تھی کہ کربلا کے میدان میں جو قیامت ٹوٹنا تھی ٹوٹ گئی اب محمدِ عربی کے ناموس کو گلی گلی پھرایا جا رہا ہے۔

کلمہ پڑھنے والی امت کی غیرت دفن ہو گئی تھی۔ خوشی کے جشن میں سارا کوفہ ننگا ناچ رہا تھا۔ ابنِ زیاد کے بے غیرت سپاہی فتح کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب اہلِ بیت کی سواری قلعہ کے قریب پہنچی تو ابنِ زیاد کی بیٹی فاطمہ اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے باہر نکلی اور خاموش دور کھڑی حسرت کی نظر سے یہ منظر دیکھتی رہی۔

ابنِ زیاد اور شمر کے حکم سے سیدانیاں اتاری گئیں۔ عابدِ بیمار اپنی والدہ اور پھوپھی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے ادھر بخار کی شدت سے ضعف و ناتوانی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اونٹ سے اترتے وقت غش آگیا اور بے حال ہو کر زمین پر گر پڑے ـــ سر زخمی ہو گیا۔ خون کا فوّارہ چھوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت زینب بے تاب ہو گئیں۔ دل بھر آیا

ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہنے لگیں۔

"آلِ فاطمہ میں ایک عابد بیمار ہی کا خون محفوظ رہ گیا تھا چلو اچھا ہوا کوفے کی زمین پہ یہ قرض بھی ادا ہو گیا۔"

ابن زیاد کا دربار نہایت تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ فتح کے نشے میں سرشار، تخت پر بیٹھا ہوا ابنِ زیاد اپنی فوج کے سرداروں سے کربلا کے واقعات سُن رہا تھا۔

سامنے ایک طشت میں امام عالی مقام کا سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی وہ بار بار حضرت امام کے لبہائے مبارک کے ساتھ گستاخی کرتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اسی منہ سے خلافت کا دعویدار تھا۔ دیکھ لیا قدرت کا فیصلہ۔ حق سربلند ہوا باطل کو ذلت نصیب ہوئی۔

صحابیٔ رسول حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس وقت دربار میں موجود تھے۔ ان سے یہ گستاخی دیکھی نہ گئی۔ جوشِ عقیدت میں چیخ پڑے۔

"ظالم! یہ کیا کرتا ہے؟ چھڑی ہٹا لے! نسبتِ رسول کا احترام کر! میں نے بار بار سرکار کو اس چہرے کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔"

ابن زیاد نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "تو اگر صحابیٔ رسول نہ ہوتا تو میں تیرا سر قلم کرا دیتا۔"

حضرت ابن ارقم نے حالتِ غیظ میں جواب دیا۔ اتنا ہی تجھے رسول اللہ کی نسبت کا لحاظ ہوتا تو ان کے جگر گوشوں کو تو کبھی قتل نہ کراتا۔ تجھے ذرا بھی غیرت نہ آئی کہ جس رسول کا تو کلمہ پڑھتا ہے انہی کی اولاد کو تہ تیغ کرایا ہے اور اب ان کی عفت مآب بیٹیوں کو قیدی بنا کر گلی گلی پھرا رہا ہے۔

ابن زیاد یہ زلزلہ خیز جواب سُن کر تلملا گیا۔ لیکن مصلحتاً خون کا گھونٹ پی کے رہ گیا۔

اسیرانِ حرم کے ساتھ ایک چادر میں لپٹی ہوئی حضرت زینب ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی کنیزوں نے انہیں اپنے جھرمٹ میں لے لیا تھا۔ ابن زیاد کی

نظر پڑی تو دریافت کیا یہ عورت کون ہے؟ کئی بار پوچھنے کے بعد ایک کنیز نے جواب دیا۔
"حضرت زینب بنت حضرت علی"
ابن زیاد نے حضرت زینب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔
اس اذیت ناک جملے پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں بے اختیار رو پڑیں۔
واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا میرے خاندان کا نشان مٹایا میری شاخیں کاٹ دیں، میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔
اس کے بعد ابن زیاد کی نظر عابد بیمار پر پڑی وہ انہیں بھی قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت زینب بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو اس بچے کو قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈال"
ابن زیاد پر دیر تک سکتے کا عالم طاری رہا۔ اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔
"خون کا رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بچے کے ساتھ سچے دل سے قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا اسے چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر و کامل)
اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے کہا۔
"اس خدا کی حمد و ستائش جس نے امیر المومنین یزید بن معاویہ کو غالب کیا اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی کو ہلاک کر ڈالا۔
اس اجتماع میں مشہور محب اہل بیت حضرت ابن عفیف بھی موجود تھے ان سے خطبے کے یہ الفاظ سن کر رہا نہ گیا۔ فرط غضب میں کانپتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابن زیاد کو للکارتے ہوئے کہا۔
خدا کی قسم تو ہی کذاب ابن کذاب ہے۔ حسین سچا اس کا باپ سچا اور اس کے نانا سچے۔
ابن زیاد اس جواب سے تلملا اٹھا اور جلاد کو حکم دیا کہ شاہراہ عام پر لے جا کر

کے اس بڈھے کا سر قلم کر دو۔

ابنِ عفیف شوق شہادت میں مچلتے ہوئے اٹھے اور مقتل میں پہنچ کر چمکتی ہوئی تلوار کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا خون بہا۔ لاش تڑپی اور ٹھنڈی ہو گئی۔ کوثر کے ساحل پر جاں نثاروں کی تعداد میں ایک عدد کا اور اضافہ ہوا۔

دوسرے دن ابنِ زیاد نے اہلِ بیت کا تاراج قافلہ ابنِ سعد کی سرکردگی میں دمشق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت امام کا سر مبارک نیزے پر آگے آگے چل رہا تھا پیچھے اہلِ بیت کے اونٹ تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ امام عالی مقام اب بھی اپنے حرم کے قافلے کی نگرانی فرما رہے تھے۔

اثنائے سفرِ مبارک سے عجیب عجیب خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ رات کے سناٹے میں ماتم و فغاں کی رقت انگیز صدائیں فضا میں گونجتی تھیں کبھی کبھی سر مبارک کے ارد گرد نور کی کرن چھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی۔

جس آبادی سے یہ قافلہ گذرتا تھا ایک کہرام بپا ہو جاتا تھا۔ دمشق کا شہر نظر آتے ہی یزیدی فوج کے سردار خوشی سے ناچنے لگے۔ فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے ہر قاتل اپنی جگہ بے قرار تھا۔

سب سے پہلے زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی۔

"حسین ابنِ علی اپنے اٹھارہ اہلِ بیت اور ساٹھ اعوان و انصار کے ساتھ ہم تک پہنچے ہم نے چند گھنٹوں میں ان کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت کربلا کے ریگستان میں ان کے لاشے برہنہ پڑے ہوئے ہیں، ان کے کپڑے خون میں تر بتر ہیں، ان کے رخسار گرد و غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی تمازت اور ہوا کی شدت سے خشک ہو گئے ہیں"

پہلے تو فتح کی خوش خبری سن کر یزید جھوم اٹھا لیکن اس زلزلہ خیز اور ہلاکت آفریں اقدام کا ہولناک انجام جب نظر کے سامنے آیا تو کانپ گیا۔ بار بار چھاتی پیٹتا تھا کہ ہائے اس واقعہ نے ہمیشہ کے لیے ننگِ اسلام بنا دیا مسلمانوں کے دلوں میں میرے لیے نفرت

اور دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہے گی۔قاتل کی پشیمانی مقتول کی اہمیت تو بڑھا سکتی ہے پر قتل کا الزام نہیں اٹھا سکتی۔ اس مقام پر بہت سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ انہیں نفسیاتی طور پہ صورت حال کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی جمع کیا اور امام زین العابدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میری حکومت چھیننا چاہی اس پہ خدا نے جو کچھ کیا وہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے جواب میں امام زین العابدین نے قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو پہلے نہ لکھی ہو۔

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید نے شامی سرداروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا اہل بیت کے ان اسیروں کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟

بعضوں نے نہایت سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان ابن بشیر نے کہا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔

یزید نے حکم دیا کہ اسیروں کی رسیاں کھول دی جائیں اور سیدانیوں کو شاہی محل میں پہنچایا جائے۔

یہ سُن کر حضرت زینب رو پڑیں اور انہوں نے گلوگیر آواز میں کہا" تُو اپنی حکومت میں رسول زادیوں کو گلی گلی پھرا چکا اب ہماری بے بسی کا تماشا اپنی عورتوں کو نہ دکھا۔ ہم خاک نشینوں کو کوئی ٹوٹی پھوٹی جگہ دے دے جہاں سر چھپالیں"۔

بالآخر یزید نے ان کے قیام کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کیا۔

امام کا سر مبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ بدبخت اپنے ہاتھ کی چھڑی سے پیشانی کے ساتھ گستاخی کر رہا تھا۔ صحابیٔ رسول حضرت اسلمی نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ظالم! یہ بوسہ گاہِ رسول ہے اس کا احترام کر"

یزید یہ سن کر تلملا گیا۔ صحابی رسول کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔
حضرت زینب کی خواہش پہ سر مبارک ان کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ سامنے رکھ کر روتی رہتی تھیں کبھی حضرت شہر بانو اور ام رباب سینے سے لگائے بیٹے ہوئے دلوں کی یاد میں کھو جاتیں۔ ایک رات کا ذکر ہے نصف شب گذر چکی تھی سارے دمشق پر نیند کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اہل بیت کے مصائب پہ ستاروں کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔ اچانک سادات کی قیام گاہ سے کسی عورت کا نالہ بلند ہوا۔ محل کی دیوار ہل گئی۔ دل کی آگ سے فضا میں چنگاریاں اڑنے لگیں۔ یزید دہشت سے کانپنے لگا۔ جا کر دیکھا تو حضرت زینب بھائی کا سر گود میں لیے ہوئے بلبلا رہی تھیں۔ درد و کرب کی ایک قیامت جاگ اٹھی ہے اس درد انگیز نالے سے اس کے دل میں جو دہشت سمائی تو عمر کی آخری سانس تک نہیں نکلی۔

اسے اندیشہ ہو گیا کہ کلیجہ توڑ دینے والی یہ فریاد اگر دمشق کے در و دیوار سے ٹکرا گئی تو شاہی محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ کیونکہ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت امام زین العابدین نے اہل بیت کے فضائل و مناقب اور یزید کے مظالم پہ مشتمل جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس نے لوگوں کے دل ہلا دیئے تھے اور ماحول میں اس کی اثر انگیزی اب تک باقی تھی۔

اگر تقریر کا سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا اور یزید نے گھبرا کر اذان نہ دلوا دی ہوتی تو اسی دن یزید کے شاہی اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ اور اس کے خلاف عام بغاوت پھیل جاتی۔

اس لیے دوسرے ہی دن نعمان ابن بشیر کی سرکردگی میں مع تیس سواروں کے اہل بیت کا یہ تاراج کارواں مدینے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ہزار کوشش کی کہ کربلا کی دہکتی ہوئی چنگاری کسی طرح ٹھنڈی ہو جائے لیکن جو آگ بحر و بر میں لگ چکی تھی اس کا سرد ہونا ممکن نہیں تھا۔ صبح کی نماز کے بعد اہل بیت کا دل گداز قافلہ مدینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

حضرت نعمان ابن بشیر بہت رقیق القلب، پاکباز اور محبِ اہل بیت تھے۔ دمشق کی آبادی سے جونہی قافلہ باہر نکلا حضرت نعمان، امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا۔ یہ نیاز مند حکم کا غلام ہے جہاں جی چاہے تشریف لے جایئے۔ میری تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ جہاں حکم دیجئے گا پڑاؤ کروں گا جب فرمایئے گا کوچ کر دوں گا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام زین العابدین وہیں سے کربلا واپس ہوئے اور شہدائے اہل بیت کو دفن کیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آس پاس کی آبادیوں کو جب خبر ہوئی تو وہ آئے اور شہیدوں کی تجہیز و تکفین کا فرض انجام دیا۔ آخر الذکر روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

حضرت امام عرش مقام کا سر مبارک اب نیزے پر نہیں تھا۔ حضرت زینب، حضرت شہربانو اور عابد بیمار کی گود میں تھا۔ پہاڑوں، صحراؤں اور ریگستانوں کو عبور کرتا ہوا قافلہ مدینے کی طرف بڑھتا رہا۔ منزلیں بڑھتی رہیں اور سینے کے جذبات مچلتے رہے۔ یہاں تک کہ کئی دنوں کے بعد اب حجاز کی سرحد شروع ہو گئی۔ اچانک سویا ہوا درد جاگ اٹھا۔ رحمت دلنور کی شہزادیاں اپنے چمن کا موسم بہار یاد کر کے مچل گئیں۔ کربلا جاتے ہوئے انہی راہوں سے کبھی گذرے تھے۔ کشورِ امامت کی یہ رانیاں اس وقت اپنے تاجداروں اور نازبرداروں کے ظلِ عاطفت میں تھیں۔ زندگی شام و سحر کی مسکراہٹوں سے معمور تھی۔ کلیوں سے لے کر غنچوں تک سارا چمن ہرا بھرا تھا۔ ذرا چہرہ اداس ہوا چارہ گروں کا ہجوم لگ گیا۔ پلکوں پہ ننھا سا قطرہ چمکا اور پیار کے ساگر میں طوفان امنڈنے لگا۔ سوتے میں ذرا سا چونک گئے اور آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ اب اسی راہ سے لوٹ رہے ہیں تو قدموں کے نیچے کانٹوں کی برچھیاں کھڑی ہیں۔ تڑپ تڑپ کر قیامت بھی سر پہ اٹھا لی تو کوئی تسکین دینے والا نہیں۔ خیمہ اجاڑ پڑا ہے۔ قافلہ ویران ہو چکا ہے۔ شہزادوں اور رانیوں کی جگہ اب آشفتہ حال یتیموں اور بیواؤں کی ایک جماعت ہے جس کے سر پہ اب صرف آسمان کا سایہ رہ گیا ہے۔ لبوں کی جنبش اور آبرو کے اشاروں سے اسیروں کی زنجیر توڑنے

والے آج خود اسیر کرب و بلا ہیں۔

مدینے کی مسافت گھٹتے گھٹتے اب چند منزل رہ گئی ہے ابھی سے پہاڑوں کا جگر کانپ رہا ہے زمین کی چھاتی دہل رہی ہے۔ قیامت کو پسینہ آ رہا ہے کہ کربلا کے فریادی مالک کونین کے پاس جا رہے ہیں قافلے میں حسین نہیں ہے اس کا کٹا ہوا سر چل رہا ہے۔ استغاثے کے ثبوت کے لیے کہیں سے گواہ لانا نہیں ہے —— بغیر دھڑ کا حسین جب اپنے نانا جان کی تربت پر حاضر ہونے جائے گا تو خاک دانِ گیتی کا انجام دیکھنے کے لیے کس کے ہوش سلامت رہ جائیں گے۔

پردیس میں کربلا کے مسافروں کی آج آخری رات تھی نہایت بے قراری میں کٹی۔ انگاروں پر کروٹ بدلتے رہے۔ صبح تڑکے ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔

نعمان بن بشیر آگے آگے چل رہے تھے ان کے پیچھے اہلِ بیت کی سواریاں تھیں۔ سب سے آخر میں تیس محافظ سپاہیوں کا مسلح دستہ تھا۔

دوپہر کے بعد مدینے کی سرحد شروع ہو گئی۔ اب فریادیوں کا حال بدلنے لگا سینے کی آگ تیز ہونے لگی۔ جیسے جیسے مدینہ قریب آتا جا رہا تھا جذبات کے سمندر میں طوفان کا تلاطم بڑھتا جاتا تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اب پہاڑیاں نظر آنے لگیں کھجوروں کی قطار اور سبزہ زاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جونہی مدینے کی آبادی جھلکی صبر و شکیب کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ کلیجہ توڑ کر آہوں کا دھواں نکلا اور ساری فضا پر چھا گیا۔ ارمانوں کا گہوارہ دیکھ کر دل کی چوٹ ابھر آئی۔ حضرت زینب، حضرت شہربانو اور حضرت عابد بیمار ابلتے ہوئے جذبات کی تاب نہ لا سکے۔ اہلِ حرم کے دردناک نالوں سے زمین کانپنے لگی۔ پتھروں کا کلیجہ پھٹ گیا۔

ایک سانڈنی سوار نے بجلی کی طرح سارے مدینے میں خبر دوڑا دی کہ کربلا سے نبی زادوں کا لٹا ہوا قافلہ آ رہا ہے۔ شہزادۂ رسول کا کٹا ہوا سر بھی ان کے ساتھ ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ہر طرف کہرام مچ گیا۔ قیامت سے پہلے قیامت آ گئی۔ وفورِ غم اور جذبہ بے خودی میں اہلِ مدینہ آبادی سے باہر نکل آئے۔ جیسے ہی آمنا سامنا ہوا اور نگاہیں

چار ہوئیں دونوں طرف شورشِ غم کی قیامت ٹوٹ پڑی۔ آہ و فغاں کے شور سے مدینے کا آسمان دہل گیا۔ حضرت امام کا کٹا ہوا سر دیکھ کر لوگ بے قابو ہو گئے۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ حضرت زینب فریاد کرتی ہوئی مدینہ میں داخل ہوئیں۔

نانا جان! اُٹھیے! اب کوئی قیامت کا دن نہیں آئے گا۔ آپ کا سارا کنبہ لُٹ گیا آپ کے لاڈلے شہید ہو گئے۔ آپ کے بعد آپ کی اُمت نے ہمارا سہاگ چھین لیا، بے آب و دانہ آپ کے بچّوں کو تڑپا تڑپا کے مارا۔ آپ کا لاڈلا حسین آپ کے نام کی دہائی دیتا ہوا چل بسا۔ کربلا کے میدان میں ہمارے جگر کے ٹکڑے ہماری نگاہوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔ آپ کے پیار کا سینچا ہوا چمن تاراج ہو گیا نانا جان!

نانا جان یہ حسین کا کٹا ہوا سر لیجئے آپ کے انتظار میں اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ذرا مرقد سے نکل کر اپنی آشفتہ نصیب بیٹیوں کا دردناک حال دیکھیے۔

حضرت زینب کی اس فریاد سے سننے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار اور حضرت عبداللہ ابن زبیر کی رقت انگیز کیفیت تابِ ضبط سے باہر تھی۔

حضرت عقیل کے گھر کے بچے یہ مرثیہ پڑھ رہے تھے: "قیامت کے دن وہ امت کیا جواب دے گی جب اس کا رسول پوچھے گا کہ تم نے ہمارے بعد ہماری اولاد کے ساتھ یہی سلوک کیا کہ ان میں سے بعض خاک و خون میں لپٹے ہوئے ہیں۔ تلواروں، تیروں اور نیزوں سے ان کے جسم گھائل۔ ان کی لاشیں بے آب و گیاہ وادی میں پڑی ہوئی ہیں اور ان میں سے بعض قیدی ہیں۔ رسیوں کے بندھن سے ہاتھ نیلے پڑ گئے ہیں۔

حضرت صغریٰ پچھاڑیں کھا کھا کر گر رہی تھیں۔ بار بار اپنی والدہ اور پھوپھی سے لپٹ لپٹ کر پوچھتی تھیں۔ ہمارے بابا جان کہاں ہیں، ہمارے ننھے علی اصغر کو کہاں چھوڑ آئے۔ بابا جان وعدہ کر گئے تھے کہ جلد ہی وہ واپس آئیں گے جس طرح ہو انہیں مَنا کے لائیے۔

اپنے امام کا کٹا ہوا سر لیے اہل بیت کا یہ تاراج کارواں جس دم روضۂ رسول پر حاضر ہوا۔ ہوائیں رک گئیں۔ گردشِ وقت ٹھہر گئی۔ بہتے ہوئے دھارے تھم گئے۔ آسمانوں میں ہل چل پڑ گئی۔ پوری کائنات دم بخود تھی کہ کہیں آج ہی قیامت نہ آجائے۔

اس وقت کا دلگداز اور روح فرسا منظر ضبط تحریر سے باہر ہے۔ قلم کو یارا نہیں کہ درد و الم کی وہ تصویر کھینچ سکے جس کی یاد اہل مدینہ کو صدیوں تڑپاتی رہی۔ اہل حرم کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ حجرۂ عائشہ میں کیا ہوا۔ کربلا کے مسافر اپنے نانا جان کی تربت سے کس طرح واپس لوٹے۔ پردۂ ناز کا یہ مرقد انور کے باہر تھا۔ رحمت کی جلوہ گاہ خالص میں جب جنت کے پھول ہی ٹھہرے تو نرگس کی چشم محرم سے اہل چمن کا کیا پردہ ہے۔ برزخ کی دیوار تو غیروں پہ حائل ہوتی ہے۔ اپنی ہی گود کے پروردوں سے کیا حجاب !

حضرت زینب۔ حضرت شہر بانو۔ حضرت ام رباب۔ عابد بیمار اور ام کلثوم و سکینہ یہ سب کے سب محرم اسرار ہی تھے۔ اندرون خانہ کیا واقعہ پیش آیا کون جانے ! اشکبار آنکھوں پہ رحمت کی آستین کس طرح رکھی گئی۔ کربلا کے پس منظر میں مشیت الٰہی کا سربستہ راز کن لفظوں میں سمجھایا گیا ؟ پس دیوار کھڑے رہنے والوں کو عالم غیب کی ان سرگذشتوں کا حال کیا معلوم ؟

مرقد رسول سے سیدہ کی خواب گاہ بھی دو ہی قدم کے فاصلے پر تھی۔ کون جانتا ہے۔ لاڈلے کو سینے سے لگانے اور اپنے یتیموں کا آنسو آنچل میں جذب کرنے کے لیے مامتا کے اضطراب میں وہ بھی کسی مخفی گذرگاہ سے اپنے باباجان کی حریم پاک تک آگئی ہوں۔

تاریخ صرف اتنا بتاتی ہے کہ حضرت زینب نے بلک بلک کر کربلا کی زلزلہ خیز داستان سنائی۔ شہر بانو نے کہا "خاندان رسالت کی بیوہ اپنا سہاگ لٹا کر در دولت پہ حاضر ہے۔ عابد بیمار نے عرض کیا !

"یتیمی کا داغ لیے حسین کی آخری نشانی ایک بیمار نیم جان شفقت و کرم اور صبر و ضبط کی بھیک مانگتا ہے۔"

آہ و فغاں کا ابلتا ہوا ساگر تھم جانے کے بعد شہزادۂ کونین حضرت امام عالی مقام کا سر مبارک مادر مشفقہ حضرت سیدہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نور کے دو ٹکڑے

افسردہ چہرے، بکھرے ہوئے بال اور بوسیدہ پیراہن میں نور کی "دو مورتیں"
ایک مسلمان رئیس کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

گردشِ ایام کے ہاتھوں ستائے ہوئے یہ دو کمسن بچے تھے۔ غیرت حیا سے آنکھیں
جھکی ہوئی تھیں۔ اظہارِ مدعا کے لیے زبان نہیں کھل رہی تھی۔

بڑی مشکل سے بڑے بھائی نے یہ الفاظ ادا کیے۔

"کربلا کے مقتل سے خاندانِ رسالت کا جو لٹا ہوا قافلہ مدینے کو واپس ہوا تھا
ہم دونوں بھائی اسی قافلے کی نسل سے ہیں۔ وقت کی بات ہے بچپن ہی میں ہم دونوں
یتیم ہوگئے۔ قسمت نے دَر دَر کی ٹھوکریں کھلائیں۔ کئی دِن ہوئے کہ ایک قافلے کے ساتھ
بھٹک کر ہم اس شہر میں آگئے۔ نہ کہیں سر چھپانے کی جگہ ہے نہ رات بسر کرنے کا ٹھکانہ۔
تین دن کے فاقوں نے جگر کا خون تک جلا ڈالا ہے۔ خاندانی غیرت کسی کے آگے زبان
نہیں کھولنے دیتی۔ اب تکلیف ضبط سے باہر ہوگئی ہے۔

جس ہاشمی رسول کا خون ہماری رگوں میں موجزن ہے ان کے تعلق سے ہمارے
حالِ زار پر تمہیں رحم آجائے تو ہمیں کچھ سہارا دے دو۔

آج تمہارے لیے سوائے پُرخلوص دعاؤں کے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لیکن قیامت
کے دن ہم نانا جان سے تمہاری غمگسار ہمدردیوں کا پورا پورا صلہ دلوائیں گے۔

رئیس نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ بس تمہارا مدعا میں نے سمجھ لیا لیکن
اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم سید زادے ہو۔ لاؤ کوئی سند پیش کرو۔ آلِ رسول کا لبادہ اوڑھ کر
بھیک مانگنے کا یہ ڈھونگ بہت فرسودہ ہو چکا ہے۔

"تم کوئی دوسرا گھر دیکھو! یہاں تمہیں کوئی سہارا نہیں مل سکتا۔"
رئیس کے جواب سے یتیموں کا چہرہ اُتر گیا، آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ یونہی غریب الوطنی، یتیمی، بے کسی اور کئی دن کی فاقہ کشی نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ اب لفظوں کی چوٹ سے دل کا نرم و نازک آبگینہ بھی ٹوٹ گیا۔

یاس کے عالم میں دونوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی آنکھ کا آنسو اپنی آستین سے جذب کرتے ہوئے کہا۔

"پیارے مت روؤ! گھائل ہو کر مسکرانا اور فاقہ کر کے شکر ادا کرنا ہمارے گھر کی پُرانی ریت ہے۔"

دھوپ کا موسم تھا۔ قیامت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ آدمی سے لے کر چرند و پرند تک سبھی اپنی اپنی پناہ گاہوں میں جا چھپے تھے لیکن چمنستان فاطمی کے یہ دو کملائے ہوئے پھول کھلے آسمان کے نیچے بے یار و مددگار کھڑے تھے ان کے لیے کہیں کوئی آسائش کی جگہ نہیں تھی۔ دھوپ کی شدت سے جب بے تاب ہو گئے تو سامنے ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔

یہ ایک مجوسی کا گھر تھا۔ عمارت کے رُخ سے شان ریاست ٹپک رہی تھی۔ تھوڑی دیر دم لینے کے بعد چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا۔

"بھائی جان! جس دیوار کے سائے میں ہم لوگ بیٹھے ہیں معلوم نہیں یہ کس کا گھر ہے۔ اس نے بھی کہیں آ کر اٹھا دیا تو اب پاؤں میں چلنے کی سکت باقی نہیں ہے زمین کی تپش سے تلووں میں آبلے پڑ گئے ہیں، کھڑا ہونا مشکل ہے۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے، یہاں سے کیسے اٹھیں گے؟"

بڑے بھائی نے جواب دیا: "ہم اس کی دیوار کا کیا نقصان کر رہے ہیں، صرف سائے میں بیٹھے ہیں۔ ویسے ہر شخص کا دل پتھر نہیں ہوتا پیارے! ہو سکتا ہے اُسے ہماری حالتِ زار پر ترس آ جائے اور وہ ہمیں اپنے سائے سے نہ اٹھائے اور اگر اٹھا بھی دیا تو دلوں کی آبادی تنگ نہیں ہے۔ انگاروں پر چلنے والے تپتی ہوئی زمین سے نہیں ڈرتے۔

فکر مت کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ پر لاد لوں گا۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد چھوٹے بھائی نے نہایت معصومانہ انداز میں ایک سوال پوچھا "بھائی جان! آپ کو یاد ہوگا۔ اس دن جب ہم لوگ جنگل میں راستہ بھول گئے تھے۔ ہر طرف آندھیوں کا طوفان اٹھا ہوا تھا اور آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ہم لوگوں نے پہاڑ کی ایک کھوہ میں پناہ لی تھی۔ شام تک طوفان نہیں تھما تھا رات ہوگئی اور ہم لوگوں کو اسی کھوہ میں ساری رات بسر کرنا پڑی۔ آدھی رات کو جب ایک شیر چنگھاڑتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا تو گھوڑے پر سوار جو ایک نقاب پوش بزرگ بجلی کی طرح نمودار ہوئے اور چند ہی لمحوں کے بعد غائب ہوگئے وہ کون تھے؟ آج تک یہ راز آپ نے نہیں بتایا۔"

بڑے بھائی نے سوالیہ لہجے میں کہا "شیر کی خوفناک آواز سن کر تمہارے منہ سے چیخ نکلی تھی؟ اور تم نے دہشت زدہ ہو کر کسی کو پکارا تھا؟ یاد کرو بس وہ وہی تھے۔ ہمارے دل کی دھڑکنوں سے بہت قریب رہتے ہیں وہ! ہماری ذرا سی تکلیف ان سے دیکھی نہیں جاتی۔ انہی کا خون ہماری رگوں میں بہتا ہے۔

ابا جان کہا کرتے تھے کہ پہلی بار جب وہ پیکر خاکی میں یہاں آئے تھے تو ان کے چہرے سے نور کی اتنی تیز کرن پھوٹتی تھی کہ نگاہ اٹھانا مشکل تھا اب تو خاکی پیراہن بھی نہیں ہے کہ حجاب کے اوٹ سے کوئی انہیں دیکھ لے اس لیے اب چہرے پہ خود ہی نقاب ڈال کر آتے ہیں تاکہ کائنات ہستی کا نظام زندگی درہم برہم نہ ہوجائے۔ ابا جان یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دیکھنے والوں نے ہمیشہ انہیں نقاب ہی میں دیکھا ہے۔ بشریت کی یہ ساری بحثیں نقاب ہی سے متعلق ہیں۔ حقیقت کا چہرہ الفاظ و بیان کی دسترس سے ہمیشہ باہر رہا ہے۔

چشمۂ کوثر کی معصوم لہروں کی طرح سلسلۂ بیاں جاری تھا اور "گھر کا بھیدی" گھر کا راز واشگاف کر رہا تھا کہ اتنے میں پس دیوار آواز سن کر مجوسی گھر سے باہر نکلا۔ اس کی نیند میں خلل پڑ گیا تھا۔ وہ غصے میں شرابور تھا لیکن جونہی گلشن نور کے ان حسین پھولوں

پر نظر پڑی اُس کا سارا غصّہ کافور ہو گیا۔

نہایت نرمی سے دریافت کیا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ بعینہٖ یہی سوال اُس رئیس نے کیا تھا اور جواب سننے کے بعد اپنے دروازے سے اٹھا دیا تھا۔

سوال کا انجام سوچ کر چھوٹے بھائی کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

بڑے بھائی نے ایک مایوس غمزدہ کی طرح جواب دیا۔

"ہم لوگ آلِ رسول ہیں یتیم بھی ہیں اور غریب الوطن بھی ہیں۔ دن کے فاقے سے نیم جان ہیں، تکلیف کی شدّت برداشت نہ ہو سکی تو آج جگر کی آگ بجھانے نکلے ہیں۔ وہ سامنے والے رئیس کے گھر پہ گئے تھے۔ اس نے ہمیں اپنے دروازے سے اٹھا دیا۔ دھوپ بہت تیز ہے زمین تپ گئی ہے۔ ننگے پاؤں چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں تھوڑی دیر کیلئے تمہاری دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں سے اُٹھ جائیں گے۔"

مجوسی نے کہا "سامنے والا رئیس تو اسی نبی کا کلمہ پڑھتا ہے جس کی تم اولاد ہو۔ اس نے اس رشتے کا خیال بھی نہیں کیا؟"

بڑے بھائی نے جواب دیا" وہ یہ کہتا ہے کہ تم آلِ رسول ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔ ہم نے ہزار اس سے کہا کہ غریب الوطنی میں ہم کیا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ تم اس کا ثبوت قیامت کے دن پہ اٹھا رکھو جب کہ نانا جان بھی وہاں موجود ہوں گے۔

قیامت کا تذکرہ سن کر مجوسی کی آنکھیں چمک اٹھیں اس نے حیرت آمیز لہجے میں کہا، "تمہاری پیشانیوں میں عالمِ قدس کا جو نور جھلک رہا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے تھا اُسے؟

اور یہ بھی کسی کورِ چشم کو نظر نہ آئے تو قدموں کے نیچے بچھ جانے کے لیے اپنے رسول کا نام ہی کیا کم ہے۔ آخرت کی سرفرازی کا دار و مدار تو نسبت کی توقیر پر ہے۔ نسبت نہ بھی واقعہ کے مطابق ہو جب بھی جزا کا استحقاق کہیں نہیں جاتا۔ دل کی نسبت بخیر ہے تو اس راہ کی ٹھوکر بھی لائقِ تحسین ہے۔

بہرحال میں تمہارے ناناجان کا کلمہ گو تو نہیں ہوں لیکن ان کی پاکیزہ اور باعظمت زندگی سے دل ہمیشہ متاثر رہا ہے ان کی نسبت سے تم نونہالوں کے لیے اپنے اندر ایک عجیب کشش محسوس کر رہا ہوں۔

ویسے ایک باعظمت رسول کے ساتھ نہ بھی تمہارا نسبتی تعلق ہوتا جب بھی تمہاری یتیمی، غریب الوطنی اور اس کے ساتھ تمہارا یہ معصوم چہرہ دلوں کو پگھلا دینے کے لیے کافی ہے۔

اب تم ایک معزز مہمان کی طرح میرے گھر کو اپنے قدموں کا اعزاز مرحمت کرو اور جب تک اطمینان بخش صورت نہ پیدا ہو جائے اس گھر سے کہیں جانے کا قصد نہ کرو۔"

اس کے بعد وہ مجوسی رئیس دونوں بچوں کو اپنے ہمراہ گھر کے اندر لے گیا اور بیوی سے کہا۔

"دیکھو! یہ نازوں کے پلے ہوئے محمد عربی کے شہزادے ہیں۔ ان کے گھر کی چوکھٹ کا اقبال تمہیں معلوم بھی ہے۔ چارہ گری اور فیض بخشی میں ان کا آستانہ ہمیشہ سے دردمندوں کی کائنات کا مرکز رہا ہے وہ واقعہ غالباً تمہیں یاد ہوگا جب کہ تمہاری گود خالی تھی گھر اندھیرا تھا۔ ایک چراغ آرزو کی تمنا میں کتنی بار تمہاری پلکیں بوجھل ہو چکی تھیں بالآخر اضطراب شوق میں ایک دن ہم دونوں گھر سے نکل پڑے اور کئی ہفتے کی راہ طے کر کے ایک گاؤں میں پہنچے تھے۔

جس خواجۂ کارساز کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر تمہیں ایک "لخت جگر" کی بشارت ملی تھی! معلوم ہے تمہیں وہ کون سی جگہ تھی؟ وہ انہی دو شہزادوں کے خانوادے کی ایک دل نواز بارگاہ تھی۔

لیکن یہ بھی وقت کا ماتم ہے بیگم! کہ لالہ کا جگر جن کے کف پا کی ٹھنڈک سے شاداب رہا ہے آج وہ کانٹوں کی نوک سے گھائل ہیں اور جن کی پلکوں کے سائے میں یہ جہان خاکی چین کی نیند سوتا ہے۔ آج وہ خود دیواروں کا سایہ تلاش کر رہے ہیں۔

بیگم! ان کے بزرگوں کا احسان تمہیں یاد نہ ہو جب بھی کم از کم اتنا ضرور یاد رکھنا

کہ یتیموں کی ناز برداری اور بے سہارا بچّوں کی دِل جوئی انسانی اخلاق کا بہت ہی دلکش نمونہ ہے "۔

مجوسی کی بیوی ایک رقیق القلب عورت تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کی ممتا جاگ اٹھی۔ جذبۂ اختیار میں دونوں بھائیوں کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ سر پہ ہاتھ پھیرا، نہلایا کپڑے بدلوائے، بالوں پہ تیل رکھا، آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور بنا سنوار کر شوہر کے سامنے لائی۔

فاطمی شہزادوں کی بلائیں لیتے ہوئے اس کے یہ رقت انگیز الفاظ ہمیشہ کے لیے گیتی کے سینے میں جذب ہو گئے۔

" ذرا دیکھیے! یہ کالی گھٹاؤں کی طرح کاکل، یہ چاند کی طرح درخشاں پیشانی، یہ نور کی موجوں میں نکھرا ہوا چہرہ، یہ پروئے ہوئے موتیوں کی طرح دانتوں کی قطار، یہ پھولوں کی پنکھڑی کی طرح پتلے پتلے ہونٹ، یہ گل ریز تبسّم، یہ گہر بار تکلم، یہ رحمتوں کا سویرا، یہ سرمگیں آنکھیں، یہ معصوم اداؤں کا چشمۂ سیال! سچ بتایئے، کیا یتیموں کی بھی سج دھج ہوتی ہے؟ خبردار آج سے میرے ان جگر پاروں کو جو یتیم کہے گا میں اس کا منہ نوچ لوں گی "۔

ان کے گھر کا بجھتا ہوا ایک چراغ پہلے ہی سے گھر میں تھا۔ دو چراغ اور آ گئے۔

" جس گھر میں تین چراغوں کا نور برستا ہو وہ خاکیوں کا گھر نہیں ہے۔ وہ ستاروں کی انجمن ہے "۔

پیار کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچ کر کملائے ہوئے پھول پھر سے تازہ ہو گئے۔ دونوں بھائی سارا غم بھول گئے۔ اب جسم کا بال بال اور خون کا قطرہ قطرہ ان غمگسار شفقتوں کے لیے دُعا کی زبان بن چکا تھا۔

آج مسلمان رئیس کی قسمت کا آفتاب گہن میں آ گیا تھا وہ بھی جلد سو گیا تھوڑی ہی دیر کے بعد گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور سر پیٹنے لگا۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ سب لوگ اِرد گرد جمع ہو گئے۔

رئیس کی بیوی اس کی حالت دیکھ کر بدحواس ہوگئی گھبراہٹ میں پوچھا۔
"کیا کہیں تکلیف ہے؟ معالج کو بلائیں، جلد بتایئے؟"
کچھ جواب دینے کے بجائے وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔
"ارے میں لٹ گیا۔ تباہ ہوگیا۔ میری مٹی برباد ہوگئی۔ کلیجہ شق ہوا جا رہا ہے۔ قیامت کی گھڑی آگئی۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ ہائے میں لٹ گیا....... ہائے میں لٹ گیا........!

یہ کہتے کہتے اس پر غشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو بیوی نے روتے ہوئے کہا — "جلد بتایئے کیا قصہ ہے میرا دل ڈوبا جا رہا ہے"

رئیس نے بڑی مشکل سے رکتے رکتے جواب دیا۔
"ہائے میں لٹ گیا۔ اپنی تباہی کا قصہ کیا بتاؤں تم سے۔!
آج کا قصہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ کتنی بے دردی کے ساتھ میں نے ان معصوم سیدزادوں کو اپنے دروازے سے اٹھایا تھا۔ ہائے افسوس! اس وقت میری عقل کو کیا ہوگیا تھا۔

ابھی آنکھ لگتے ہی اس واقعہ کے متعلق میں نے ایک نہایت بھیانک اور ہولناک خواب دیکھا ہے.....

"کہ میں ایک نہایت حسین اور شاداب چمن میں چہل قدمی کر رہا ہوں۔ اتنے میں ایک ہجوم دوڑتا ہوا میرے قریب سے گذرا۔ میں نے لپک کر دریافت کیا۔ آپ لوگ اتنی تیزی کے ساتھ کہاں جا رہے ہیں؟۔

"ان میں سے ایک شخص نے بتایا کہ باغ فردوس کا دروازہ کھول دیا گیا اور ایک اعلان کے ذریعہ امت محمدی کو داخلے کی عام اجازت دے دی گئی ہے۔"

یہ سن کر میں خوشی سے ناچنے لگا اور ہجوم کے ساتھ شامل ہوگیا۔ باغ فردوس کا دروازہ کھلا ہوا تھا ایک ایک کرکے لوگ داخل ہو رہے تھے۔

میں بھی آگے بڑھا اور جونہی دروازے کے قریب پہنچا جنت کے پاسبان نے

مجھے روک دیا۔ میں نے کہا کہ مجھے کیوں روکا جارہا ہے۔ آخر میں بھی تو سرکار کا امتی ہوں۔
اس نے حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا "تم امتی ہو تو اپنے امتی ہونے کا ثبوت دو۔ سند پیش کرو۔ اس کے بعد ہی تمہیں جنت میں داخلے کی اجازت مل سکے گی۔ بغیر ثبوت لیے اگر نبی زادوں کو تم اپنے گھر میں پناہ نہیں دے سکتے تو تمہیں بغیر ثبوت کے جنت میں داخلے کی اجازت کیونکر مل سکتی ہے۔"
اب تم سے بات رحم وکرم کی نہیں ہوگی، ضابطے کی ہوگی۔ انجام سے مت گھبراؤ اس سلسلے کا آغاز تمہی نے کیا ہے۔
"جاؤ محشر کی تپتی ہوئی زمین پر چہل قدمی کرو، یہاں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"
جب سے یہ ہولناک خواب دیکھا ہے انگاروں پر لیٹ رہا ہوں۔ میرے تئیں یہ خواب نہیں ہے، واقعہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فردائے محشر میں یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آکر رہے گا۔
"ہائے! میں ہمیشہ کے لیے سرمدی نعمتوں سے محروم ہوگیا۔ قہر الٰہی کی زد سے جو مجھے بچا سکتا تھا اسی کو میں نے آزردہ کر دیا ہے۔ اب کون میری چارہ سازی کرے گا۔"
بیوی نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔
آپ اپنی جان ہلکان مت کیجئے۔ خدا تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے اس کے دربار میں روئیے، تڑپیئے، فریاد کیجئے، توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے وہ آپ کی خطا ضرور معاف کردے گا۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا کی رحمتوں سے ناامید ہونا مسلمانوں کا نہیں کافروں کا شیوہ ہے۔"
رئیس نے کراہتے ہوئے جواب دیا: "تمہاری عقل کہاں مرگئی ہے؟ ہوش کی بات کرو! خدا کا حبیب جب تک آزردہ ہے ہم لاکھ فریاد کریں۔ رحمت وکرم کا کوئی دروازہ ہم پہ نہیں کھل سکتا۔
خدا کی رحمت ہمیشہ اپنے محبوب کا تیور دیکھتی ہے۔ محبوب کی نظر سے گرنے والا کبھی نہیں اٹھ سکا ہے۔ صد حیف! جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ سکتا ہے آج اسی کے

گھر کا آبگینہ میں نے توڑ دیا۔ وہ نہ بھی اپنی زبان سے کچھ کہے جب بھی مشیت الٰہی بہر حال اس کی طرفدار ہے۔ وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گی۔

بیوی کی آواز مدہم پڑ گئی اور اس نے دبے دبے لہجے میں کہا " تو پہلے خدا کے حبیب ہی کو راضی کر لیا جائے۔ ابھی شہزادے شہر سے باہر نہیں گئے ہوں گے۔ صبح تڑکے انہیں تلاش کریں اور جس طرح بھی ہو منت سماجت سے منا کر انہیں گھر لائیں۔ وہ اگر راضی ہو گئے اور انہوں نے آپ کو معاف کر دیا تو خدا کا حبیب بھی راضی ہو جائے گا اس کے بعد رحمت یزدانی کی توجہ حاصل کی جا سکے گی "

یہ بات بیوی کی سن کر رئیس کا چہرہ کھل گیا جیسے نگاہوں کے سامنے امید کی کوئی شمع جل گئی ہو۔ ساتھی دیر کے بعد اب اسے اپنی نجات کا ایک موہوم سہارا نظر آیا تھا

آج صبح ہی سے مجوسی کے گھر پر مردوں، عورتوں اور بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ جذبۂ شوق کے عالم میں وہ بے تحاشا گھر کی دولت لٹا رہا تھا۔

سارے شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی تھی کہ خاندانِ رسالت کے دو شہزادے اس کے گھر مہمان ہیں۔

مسلمان رئیس اپنی بیوی کے ہمراہ ان کی تلاش میں جونہی گھر سے باہر نکلا مجوسی کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خاندانِ رسالت کے دو نونہال کل سے اس کے یہاں مقیم ہیں۔ پروانوں کا یہ ہجوم انہی کے اعزاز میں اکٹھا ہوا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی رئیس کی باچھیں کھل گئیں اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا کہ مجوسی کو بچوں کے معاوضے میں چاہے زندگی بھر کی کمائی دینی پڑے قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا بگڑی ہوئی تقدیر سنور گئی تو دولت کمانے کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔

نہایت تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے رئیس اور اس کی بیوی دونوں مجوسی کے گھر پہنچے۔ دیکھا تو دونوں شہزادے دولہے کی طرح بن سنور کر بیٹھے ہیں اور مجوسی ان

کے سروں پر سے اشرفیاں اتار کر مجمع کو لٹا رہا ہے۔
رئیس نے آگے بڑھ کر مجوسی سے کہا۔
"مجھے آپ سے ایک نہایت ضروری کام ہے۔ ایک لمحے کے لیے توجہ فرمائیں"
مجوسی، رئیس کی طرف متوجہ ہو گیا" فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"
رئیس نے اپنی نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا۔
"یہ دس ہزار اشرفیوں کا توڑا ہے اسے قبول فرمائیے اور یہ دونوں شہزادے میرے حوالے کر دیجئے۔ مجھے حق بھی پہنچتا ہے کہ سب سے پہلے یہ میرے ہی غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔
مجوسی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"فردوس کی عالی شان عمارت رات آپ نے دیکھی ہے اور جس میں آپ کو داخل ہونے سے روک دیا گیا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں دس ہزار اشرفیوں میں اسے فروخت کر دوں اور زندگی میں پہلی بار رحمت یزدانی کا جو دروازہ کھلا ہے اسے اپنے اوپر مقفل کر لوں۔
شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جس خواجۂ کونین کو آزردہ کر کے تو نے اپنے اوپر جنت حرام کر لی ہے، رات ان کے جلوہ بار تبسم سے ہمارے دلوں کی کائنات روشن ہو چکی ہے۔
اے خوش نصیب! کہ اب ہمارے گھر میں کفر کی شب دیجور نہیں ہے ایمان و اسلام کا سویرا ہو چکا ہے۔
یاد کیجیے! خواب کی وہ بات جب آپ جنت کے پاسبان سے کہہ رہے تھے کہ "آخر میں بھی سرکار کا امتی ہوں" مجھے کیوں روکا جا رہا ہے؟" تو میں اس وقت اپنے چھوٹے سے کنبے کے ساتھ جنت کے صدر دروازے سے گذر رہا تھا۔
مجھے یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ میں بھی سرکار کا امتی ہوں۔ سرکار کا امتی کروڑوں کی بھیڑ میں پہچان لیا گیا۔ وہاں زبان کی بات نہیں چلتی دل کا آئینہ پڑھا جاتا ہے میرے بھائی!

ہمارے حال پر سرکار کی رحمت و نوازش کا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز منظر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی اہلیہ کو اندر بھیج دیجئے۔ حضرت سیّدہ کی کنیز، شکرانے کی نماز ادا کر رہی ہے غالباً وہ ابھی سجدے میں ہوگی۔ سر اٹھانے کے بعد ذرا اس کی دمکتی ہوئی پیشانی کا نظارہ کریں عالمِ خواب میں جس حصّے پر سیّدہ نے اپنا دستِ شفقت رکھ دیا تھا وہاں اب تک چراغ جل رہا ہے، کرن پھوٹ رہی ہے اور در و دیوار سے نور برس رہا ہے۔

جن شہزادوں کے دم قدم سے ہمارے نصیب چمکے، دلوں کی انجمن روشن ہوئی ہے جیتے جی سرمدی امان کا پروانہ ملا اور ایک رات میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ آپ انہیں دس ہزار اشرفیوں میں خریدنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ صبح سے اب تک میں دس ہزار اشرفیاں صرف ان کے اوپر نثار کر چکا ہوں۔

اب وہ میرے مہمان نہیں ہیں گھر کے مالک ہیں۔ ہم خود ان کے حوالے ہیں انہیں کیا حوالے کر سکتے ہیں۔

بھائی جان! آپ کا یہ سارا جوش و خروش رات کے خواب کا نتیجہ ہے۔ خواب سے پہلے آنکھ کھل گئی ہوتی تو بات بن سکتی تھی۔ اب اس کا وقت گذر چکا ہے البتہ ماتم کا وقت باقی ہے اور وہ کبھی گزرے گا نہیں۔

رئیس سر جھکائے ہوئے باتیں سن رہا تھا اور روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں، بڑے بھائی کی نظر جونہی اس کی طرف اٹھی، دل جذبۂ رحم سے بھر آیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ بڑے سے بڑے غم کا بار سہہ لیا ہے لیکن بھیگی ہوئی پلکوں کا بوجھ ہم سے کبھی نہیں اٹھ سکا۔ تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ تمہارا شیوہ تھا لیکن ہم تمہارے ساتھ اپنے گھر کی ریت برتیں گے۔ جاؤ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ نانا جان بھی معاف کر دیں گے۔ مایوسی کا غم نہ کھاؤ۔ جنت میں تم بھی ہمارے ساتھ رہو گے۔"

گھر لوٹتے وقت رئیس کا دل خوشی سے ناچ رہا تھا۔

(ارشد القادری)

زمینِ کربلا کا خونی منظر

اہلِ بیت کے نوجوانوں نے خاکِ کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت و جوانمردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھ محو کرنے سے قاصر ہیں۔ اب تک نیازمندوں اور عقیدت کیشوں کی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے علمبردارانِ شجاعت کو خاک و خون میں لٹا کر اپنی بہادری کے غلغلے دکھائے تھے اب اسد اللہ کے شیرانِ حق کا موقع آیا اور علی المرتضیٰ کے خاندان کے بہادروں کے گھوڑوں نے میدانِ کربلا کو جولانگاہ بنا دیا۔

ان حضرات کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کے حملوں سے شیر دل بہادر چیخ اٹھے۔ اسد اللّٰہی تلواریں تھیں یا شہاب ثاقب کی آتش باری بنی ہاشم کی نبرد آزمائی اور جاں شکار حملوں نے کربلا کی تشنہ لب زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا اور خشک ریگستان سرخ نظر آنے لگے۔ نیزوں کی نوکوں پر صف شکن بہادروں کو اٹھانا پڑا۔ خاک میں ملانا ہاشمی نوجوانوں کا معمولی کرتب تھا۔ ہر ساعت نیا مبارز آتا تھا اور ہاتھ اٹھاتے ہی فنا ہو جاتا تھا۔ ان کی تیغِ بے نیام اجل کا پیام تھی اور نوکِ سناں قضا کا فرمان۔ تلواروں کی چمک نے نگاہیں خیرہ کر دیں اور ضرب و حرب کے جوہر دیکھ کر کوہ پیکر ترساں و ہراساں ہو گئے۔ کبھی میمنہ پر حملہ کیا تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے۔ کبھی میسرہ کی طرف حملہ کیا تو معلوم ہوا کہ مُردوں کی جماعت کھڑی تھی جو اشارہ کرتے ہی لوٹ گئی۔ صاعقہ کی طرح چمکنے والی تیغ خون میں ڈوب ڈوب گئی تھی اور خون کے قطرات اس سے ٹپکتے تھے۔ اس طرح خاندانِ امام کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا دکھا کر امام عالی مقام پر جان قربان کرتے چلے جا رہے تھے۔ خیمہ سے

چلتے تھے تو بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ کے چمنستان کی دلکش فضا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتی تھی، میدانِ کربلا کی راہ سے اس منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔

فرزندانِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاربہ نے دشمن کے ہوش اڑا دیئے۔ ابنِ سعد نے اعتراف کیا کہ اگر فریب کاریوں سے کام نہ لیا جاتا یا ان حضرات پر پانی بند نہ کیا جاتا تو اہلِ بیت کا ایک ایک نوجوان تمام لشکر کو برباد کر ڈالتا۔ جب وہ مقابلہ کے لیے اٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قہرِ الٰہی آرہا ہے ان کا ایک ایک ہنر و صف شکنی و مبارزطلبی میں فرد تھا۔

الحاصل اہلِ بیت کے نونہال اور ناز کے پالوں نے میدانِ کربلا میں حضرت امام پر اپنی جانیں فدا کیں اور تیر و سنان کی بارش میں حمایتِ حق سے منہ نہ موڑا۔ گردنیں کٹوائیں، خون بہائے، جانیں دیں، مگر کلمۂ ناحق زبان پہ نہ آنے دیا۔ نوبت بہ نوبت تمام شہزادے شہید ہوتے چلے گئے۔ اب حضرت امام کے سامنے ان کے نورِ نظر حضرت علی اکبر حاضر ہیں، میدان کی اجازت چاہتے ہیں، منت و سماجت ہو رہی ہے۔ عجیب وقت ہے چہیتا بیٹا شفیق باپ سے گردن کٹوانے کی اجازت چاہتا ہے اور اس پہ اصرار کرتا ہے جس کی کوئی ہٹ، کوئی ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی جس نازنین کو کبھی پدر مہربان نے انکاری جواب نہ دیا تھا آج اس کی یہ تمنا یہ التجا دل و جگر پہ اثر کیا کرتی ہوگی۔ اجازت دیں کس بات کی؟ گردن کٹانے اور خون بہانے کی نہ دیں تو چمنستانِ رسالت کا وہ گلِ شاداب کملایا جاتا ہے مگر اس آرزو مند شہادت کا اصرار اس حد پہ تھا اور شوقِ شہادت نے ایسا وارفتہ بنا دیا تھا کہ چار و ناچار حضرت امام کو اجازت دینا ہی پڑی، حضرت امام نے اس نوجوان جمیل کو خود گھوڑے پر سوار کیا۔ اس دستِ مبارک سے لگائے۔ فولادی مغفر سر پہ رکھا، کمر پہ پٹکا باندھا، تلوار حمائل کی، نیزہ اس ناز پروردہ سیادت کے مبارک ہاتھ میں دیا اس وقت اہلِ بیت کی بیبیوں، بچوں پہ کیا گزر رہی تھی جن کا تمام کنبہ و قبیلہ، برادر فرزند سب شہید ہو چکے تھے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بھی آخری سلام کر رہا تھا ان تمام مصائب کو اہلِ بیت نے رضائے حق کے لیے بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور یہ انہیں کا حوصلہ تھا حضرت علی اکبر خیمہ سے رخصت ہو کر میدان کارزار کی طرف تشریف لائے۔ جنگ کے مطلع میں ایک آفتاب چمکا مشکیں

کاکل کی خوشبو سے میدان مہک گیا، چہرہ کی تجلی نے معرکۂ کارزار کو عالم انوار بنا دیا۔

نور نگاہ فاطمہ آسماں جناب — صبر دل خدیجۂ پاک ارم قباب
لخت دل امام حسین ابن بو تراب — شیر خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لاجواب — گیسو تھے مشک ناب تو چہرہ تھا آفتاب
چہرہ سے شاہزادہ کے اٹھا جبھی نقاب — مہر سپہر ہو گیا خجلت سے آب آب
کاکل کی شام رخ کی سحر موسم شباب — سنبل نثار شام فدائے سحر گلاب
شہزادہ جلیل علی اکبر جلیل — بستان حسن میں گل خوش منظر شباب
پالا تھا اہل بیت نے آغوش ناز میں — شرمندہ اس کی نازکی سے شیشۂ حجاب
صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا! — چمکا جو رن میں فاطمہ زہرا کا ماہتاب
خورشید جلوہ گر ہوا پشت سمند پر — یا ہاشمی جوان کے رخ سے اٹھا نقاب
صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں — جرأت نے باگ تھامی شجاعت نے لی رکاب
چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں — دل کانپ اٹھے ہو گیا اعدا کا اضطراب
سینوں میں آگ لگ گئی اعدائے دین کے — غیظ و غضب کے شعلوں سے دل ہو گئے کباب
نیزہ جگر شگاف تھا اس گل کے ہاتھ میں — یا اژدہا تھا موت کا یا اسوءُ العقاب
چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا — اس سے نظر ملاتا یہ تھی کس کے دل میں تاب
کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں — ایسا شجاع ہوتا جو اس شیر کا جواب
مردان کار لرزہ بر اندام ہو گئے! — شیر افگنوں کی حالتیں ہونے لگیں خراب
کوہ پیکروں کو تیغ سے دو پارہ کر دیا — کی ضرب خود پر تو اڑا ڈالا تا رکاب
تلوار تھی کہ صاعقۂ برق بار تھا! — یا از برائے رجم شیاطین تھا شہاب
چہرے میں آفتاب نبوت کا نور تھا — آنکھوں میں شان صولت سرکار بو تراب
پیاسا رکھا جنہوں نے انہیں سیر کر دیا — اس جود پر ہے آج تری تیغ زہر آب

میداں میں اس کے حسن عمل دیکھ کے نسیم!
حیرت سے بد حواس تھے جتنے تھے شیخ و شاب

میدانِ کربلا میں فاطمی نوجوان پشتِ سمند پر جلوہ آرا تھے۔ چہرہ کی تابش ماہ تاباں کو شرما رہی تھی۔ سروِ قامت نے اپنے جمال سے ریگستان کو بُستانِ حُسن بنا دیا۔ جوانی کی بہاریں قدموں پر نثار ہو رہی تھیں۔ سنبل کاکل سے خجل برگ گل اس کی نزاکت سے منفعل حُسن کی تصویر، مصطفےٰ کی تنویر، حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے جمالِ اقدس کا خطبہ پڑھ رہی تھی۔ یہ چہرۂ تاباں اس روئے درخشاں کی یاد دلاتا تھا۔ ان سنگدلوں پر حیرت جو اس گل شاداب کے مقابلہ کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان بے دینوں پر بے شمار نفرت جو حبیبِ خدا کے نونہال کو گزند پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ اسد اللّٰہی شیر میدان میں آیا۔ صفِ اعداء کی طرف نظر کی۔ ذوالفقارِ حیدری کو چمکایا اور اپنی زبانِ مبارک سے رجز شروع کی۔ أنا علی ابن حسین بن علی نحن أهل البیت أولی بالنبی۔ جس وقت شہزادۂ عالی قدر نے یہ رجز پڑھی ہوگی کربلا کا چپہ چپہ اور ریگستانِ کوفہ کا ذرہ ذرہ کانپ گیا ہوگا۔ ان مدعیانِ ایمان کے دل پتھر سے بدرجہا بدتر تھے جنہوں نے اس نوبادہ چمنستانِ رسالت کی زبانِ شیریں سے یہ کلمے سنے پھر بھی ان کی آتشِ عناد سرد نہ ہوئی اور کمینہ سینہ سے کینہ دور نہ ہوا۔ لشکریوں نے عمرو بن سعد سے پوچھا یہ سوار کون ہے جس کی تجلی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جس کی ہیبت و صولت سے بہادروں کے دل ہراساں ہیں۔ شانِ شجاعت اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہے۔ کہنے لگا یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں صورت و سیرت میں اپنے جدِّ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بہت مناسبت رکھتے تھے یہ سن کر لشکریوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور ان کے دلوں نے ان پر ملامت کی کہ اس آقازادے کے مقابل آنا اور ایسے جلیل القدر مہمان کے ساتھ یہ سلوک بے مروّتی کرنا نہایت سفلہ پن اور بدباطنی ہے لیکن ابن زیاد کے وعدے اور یزید کے انعام و اکرام کی طمع دولت و مال کی حرص نے اس طرح گرفتار کیا تھا کہ وہ اہلِ بیتِ اطہار کی قدر و شان اور اپنے افعال کردار کی شامت و نحوست جاننے کے باوجود اپنے ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی بنے اور آلِ رسول کے خون سے کنارہ کرنے اور اپنے دارین کی روسیاہی سے بچنے کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی شہزادۂ عالی وقار نے

مبارز طلب فرمایا صف اعدا میں کسی کو جنبش نہ ہوئی۔ کسی بہادر کا قدم نہ بڑھا معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے مقابل بکریوں کا ایک گلہ ہے جو دم بخود اور ساکت ہے۔

حضرت علی اکبر نے پھر نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ظالمانِ جفاکش اگر بنی فاطمہ کے خون کی پیاس ہے تو تم میں سے جو بہادر ہے اسے میدان میں بھیجو۔ زور بازوئے علی دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ مگر کس کی ہمت تھی جو آگے بڑھتا کس کے دل میں تاب و تواں تھی کہ شیرِ ژیاں کے سامنے آتا۔ جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دشمنانِ خونخوار میں سے کوئی نہ آیا آگے نہ بڑھا اور ان کو برابر کی ہمت نہیں ہے کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ نے سمند باد پا کی باگ اٹھائی اور سن صبا رفتار کے مہمیز لگائی اور صاعقہ وار دشمن کے لشکر پر حملہ کیا جس طرف زد کی پرے کے پرے ہٹا دیئے۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر گرا دیئے۔ ابھی میمنہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا۔ ابھی میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگایا تو گردن کشوں کے سر موسم خزاں کے پتوں کی طرح تن کے درختوں سے جدا ہو کر گرنے لگے۔ ہر طرف شور برپا ہو گیا۔ دلاوروں کے دل چھوٹ گئے۔ بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ کبھی نیزے کی ضرب تھی۔ کبھی تلواروں کا وار تھا۔ شہزادۂ اہلِ بیت کا حملہ نہ تھا عذاب الٰہی کی بلائے عظیم تھی۔ دھوپ میں جنگ کرتے کرتے چمنستانِ اہلِ بیت کے گلِ شاداب کو تشنگی کا غلبہ ہوا۔ باگ موڑ کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا ابتاہ العطش اے پدرِ بزرگوار پیاس کا بہت غلبہ ہے۔ غلبہ کی کیا انتہا تین دن سے پانی بند ہے۔ تیز دھوپ اور اس میں جاں بازانہ دوڑ دھوپ، گرم ریگستان لوہے کے ہتھیار جو بدن پر لگے ہوئے ہیں وہ تمازتِ آفتاب سے آگ ہو رہے ہیں۔ اگر اس وقت حلق تر کرنے کیلئے چند قطرے مل جائیں تو فاطمی شیر گرہ بہ خصلتوں کو پیوند خاک کر ڈالیں۔

شفیق باپ نے جانباز بیٹے کی پیاس دیکھی مگر پانی کہاں تھا۔ جو اس تشنۂ شہادت کو دیا جاتا۔ دستِ شفقت سے چہرۂ گلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اور اپنی انگشتری فرزندِ ارجمند کے دہانِ اقدس میں رکھ دی۔ پدرِ مہربان کی شفقت سے فی الجملہ تسکین ہوئی پھر شہزادہ نے میدان کا رُخ کیا پھر صدا دی "ھل من مبارز"، کوئی جان پر کھیلنے والا ہو تو سامنے

آئے۔ عمرو بن عاص نے طارق سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ اہلِ بیت کا اکیلا نوجوان میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اس نے پہلی مرتبہ مبازر طلب کیا تو تمہاری جماعت میں کسی کو ہمت نہ ہوئی پھر وہ آگے بڑھا تو صفوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ اور بہادروں کا کھیت کر دیا۔ بھوکا ہے، پیاسا ہے۔ دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے خستہ اور ماندہ ہو چکا ہے پھر مبازر طلب کرتا ہے اور تمہاری تازہ فوج میں سے کسی کو یارائے مقابلہ نہیں۔ تف ہے تمہارے دعوائے شجاعت و بسالت پر۔ جو کچھ غیرت تو میدان میں نکل کر مقابلہ کر کے فتح حاصل کر۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے یہ کام انجام دیا تو عبیداللہ ابن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا۔ طارق نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر فرزندِ رسول اور اولادِ بتول سے مقابلہ کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کر دوں پھر بھی تو اپنا وعدہ وفا نہ کرے تو میں نہ دنیا کا نہ دین کا۔ ابن سعد نے قسم کھائی اور پختہ قول و قرار کیا۔

اس پر حریص طارق موصل کی حکومت کے لالچ میں گلِ بستانِ رسالت کے مقابلہ کے لیے چلا۔ سامنے پہنچتے ہی شہزادۂ والا تبار پر نیزہ کا وار کیا۔ شہزادہ عالی جاہ نے اس کا نیزہ رد فرما کر سینہ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے نکل گیا اور وہ ایک دم گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادے نے بکمال ہنرمندی گھوڑے کو ایڑھ دے کر اس کو روند ڈالا اور ہڈیاں چکنا چور کر دیں۔ یہ دیکھ کر طارق کے بیٹے عمرو بن طارق کو طیش آیا اور وہ جھلاتا ہوا گھوڑا دوڑا کر شہزادہ پر حملہ آور ہوا۔ شاہزادے نے ایک ہی نیزہ میں اس کا کام بھی تمام کیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق، اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لیے آتشیں شعلہ کی طرح شہزادہ پر دوڑ پڑا۔ حضرت علی اکبر نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا لیا۔ اور زمین پر اس زور سے پٹکا کہ اس کا دم نکل گیا۔ شہزادہ کی ہیبت سے لشکر میں شور برپا ہو گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع ابن غالب کو شہزادہ کے مقابلہ کے لیے

بھیجا مصراع نے شہزادہ پر حملہ کیا۔ آپ نے تلوار سے نیزہ قلم کرکے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ زین تک کٹ گئی دو ٹکڑے ہوکر گر گیا۔ اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا۔ ناچار ابن سعد نے محکم بن طفیل بن نوفل کو ہزار سواروں کے ساتھ شہزادہ پر یکبارگی حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ شہزادے نے نیزہ اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور انہیں دھکیل کر قلبِ لشکر تک پہنچا دیا۔

اس حملے سے شہزادے کے ہاتھ سے کتنے بدنصیب ہلاک ہوئے کتنے پیچھے ہٹے۔ آپ پر پیاس کی بہت شدت ہوئی۔ پھر گھوڑا دوڑا کر پدرِ عالی قدر کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ العطش العطش بابا پیاس کی بہت شدت ہے۔ اس مرتبہ حضرت امام نے فرمایا اے نورِ دیدہ حوضِ کوثر سے سیرابی کا وقت قریب آگیا ہے۔ دستِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے وہ جام ملے گا جس کی لذّت نہ تصور میں آسکتی ہے نہ زبان بیان کرسکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی اکبر کو خوشی ہوئی اور وہ پھر میدان کی طرف لوٹ گئے اور لشکرِ دشمن کے میمن و میسار پر حملہ کرنے لگے، اس مرتبہ لشکرِ اشرار کی یکبارگی چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے آپ بھی فرماتے رہے اور دشمن ہلاک ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹتے رہے لیکن چاروں طرف سے نیزوں کے زخموں نے تنِ نازنین کو چکنا چور کر دیا تھا اور چمنِ فاطمہ کا گلِ رنگین اپنے خون میں نہا گیا تھا۔ پیہم تیغ و سنان کی ضربیں پڑ رہی تھیں اور فاطمی شہسوار پہ تیر و تلوار کا مینہ برس رہا تھا۔ اس حالت میں آپ پشتِ زین سے روئے زمین پر آئے اور سرو قامت نے خاکِ کربلا پہ استراحت کی، اس وقت آپ نے آواز دی یا ابتاہ ادرکنی اے پدرِ بزرگوار مجھ کو لیجئے۔ حضرت امام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور جانباز نونہال کو خیمہ میں لائے۔ اس کا سر گود میں لیا حضرت علی اکبر نے آنکھ کھولی اور اپنا سر والد کی گود میں دیکھ کر فرمایا۔ جان ما نیاز مندان قربان تو باد۔ اے پدرِ بزرگوار میں دیکھ رہا ہوں آسمان کے دروازے کھلے ہیں بہشتی حوریں شربت کے جام لیے انتظار کر رہی ہیں یہ کہا اور جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہلِ بیت کا صبر و تحمل اللہ اکبر! امید کے گل نوشگفتہ کو کملایا ہوا دیکھا اور الحمد للہ

کہا، نازک کے پالوں کو قربان کر دیا اور شکرِ الٰہی بجا لائے۔ مصیبت و اندوہ کی کچھ نہایت ہے فاقہ پر فاقے ہیں۔ پانی کا نام ونشان نہیں۔ بھوکے پیاسے فرزند تڑپ تڑپ کر جانیں دے چکے ہیں۔ جلتی ریت پر فاطمی نونہال ظلم وجفا سے ذبح کیے گئے۔ عزیز و اقارب، دوست واحباب، خادم، موالی، دلبند، جگر پیوند، سب آئینِ وفا ادا کر کے دوپہر میں شربتِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اہلِ بیت کے قافلہ میں سناٹا ہو گیا ہے جن کا کلمہ کلمہ تسکینِ دل و راحتِ جان تھا۔ وہ نور کی تصویریں خاک و خون میں خاموش پڑی ہوئی ہیں۔ آلِ رسول نے رضا و صبر کا امتحان وہ دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ بڑے سے لے کر بچے تک مبتلائے مصیبت تھے۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند علی اصغر جو ابھی کمسن ہیں، شیر خوار ہیں، پیاس سے بیتاب ہیں۔ شدتِ تشنگی سے تڑپ رہے ہیں۔ ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے اس چھوٹے بچے کی زبان باہر آتی ہے۔ بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور پیچ کھا کھا کر رہ جاتے ہیں۔ کبھی ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کو سوکھی زبان دکھاتے ہیں نادان بچہ کیا جانتا ہے کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے ماں کا دل اس بے چینی سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ کبھی بچہ باپ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ ہر چیز لا کر دیا کرتے تھے۔ میری اس بے کسی کے وقت بھی پانی بہم پہنچائیں گے۔ چھوٹے بچے کی بے تابی دیکھی نہ گئی۔ والدہ نے حضرت امام سے عرض کیا اس ننھی سی جان کی بے تابی دیکھی نہیں جاتی اس کو گود میں لے جائیے اور اس کا حال ظالمانِ سنگ دل کو دکھایئے اس پر تو رحم آئے گا اس کو تو چند قطرے دے ہی دیں گے۔ یہ نہ جنگ کرنے کے لائق ہے نہ میدان کے لائق ہے اس سے کیا عداوت ہے حضرت امام اس چھوٹے نورِ نظر کو سینے سے لگا کر سیاہ دشمن کے سامنے پہنچے اور فرمایا کہ اپنا تمام کنبہ تو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کے نظر کر چکا۔ اب اگر آتشِ بغض و عناد جوش پر ہے تو اس کے لیے میں ہوں۔ یہ شیر خوار بچہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے اس کی بیتابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دو۔ جفا کارانِ سنگدل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا۔ بجائے پانی کے ایک

بدبخت نے تیر مارا جو علی اصغر کا حلق چھیدتا ہُوا امام کے بازو میں بیٹھ گیا۔ امام نے وہ تیر کھینچا۔ بچّہ نے تڑپ کر جان دی باپ کی گود سے ایک نور کا پتلا لپٹا ہُوا ہے۔ خون میں نہا رہا ہے۔ اہلِ خیمہ کو گمان ہے کہ سیاہ دلانِ بے رحم اس بچّہ کو ضرور پانی دے دیں گے اور اس کی تشنگی دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔

لیکن جب امام اس شگوفہ تمنا کو خیمہ میں لائے اور اس کی والدہ نے اوّل نظر میں دیکھا کہ بچّہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں سکون کا عالم ہے نہ وہ اضطراب ہے نہ بیقراری گمان ہُوا کہ پانی دے دیا ہوگا۔ حضرت امام سے دریافت کیا۔ فرمایا وہ بھی ساقیٔ کوثر کے جامِ رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لیے اپنے بھائیوں سے جا ملا یا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ ونوالہ۔

رضا و تسلیم کی امتحان گاہ میں امام حسین اور ان کے متوسلین نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ عالمِ ملائکہ بھی حیرت میں آ گیا ہوگا۔ انی اعلم مالا تعلمون۔ کا راز ان پر منکشف ہو گیا ہوگا۔

اب وہ وقت آیا کہ جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام پر جانیں قربان کر گئے۔ اب تنہا حضرت امام ہیں اور ایک فرزند حضرت امام زین العابدین وہ بھی بیمار و ضعیف۔ باوجود اس ضعف و ناطاقتی کے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امام کو تنہا دیکھ کر مصافِ کارزار میں جانے اور اپنی جان نثار کرنے کے لیے نیزہ دستِ مبارک میں لیا لیکن بیماری، سفر کی کوفت، بھوک پیاس، متواتر فاقوں اور پانی کی تکلیفوں سے ضعف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا ہے۔ باوجود اس کے ہمّتِ مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کر دیا۔

حضرت امام نے فرمایا۔ جانِ پدر لوٹ آؤ۔ میدان جانے کا قصد نہ کرو کنبہ و قبیلہ عزیز و اقارب، خدام، موالی جو ہمراہ تھے راہِ حق میں نثار کر چکا اور الحمد للہ کہ ان مصائب کو جدِّ کریم کے صدقہ میں صبر و تحمّل کے ساتھ برداشت کیا اب اپنا ناچیز ہدیہ سر راہِ خدا میں نذر کرنے کے لیے حاضر ہے۔ تمہاری ذات کے ساتھ بہت امیدیں وابستہ ہیں بیکسانِ اہلِ بیت

کو وطن تک پہنچانے کا بیبیوں کی نگہداشت کون کرے گا۔ جدّ و پدر کی امانتیں جو میرے پاس ہیں کس کے سپرد کی جائیں گی۔ قرآن کریم کی محافظت اور حقائق عرفانیہ کی تبلیغ کا مرکز کس کے سر پر رہ جائے گا، میری نسل کس سے چلے گی حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا یہ سب توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں دودمان رسالت و نبوّت کے آخری چراغ تم ہی ہو۔ تمہاری ہی طلعت سے دنیا مستفید ہوگی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلدادگان حسن تمہارے ہی روئے تاباں سے حبیب حق کے انوار و تجلیات کی زیارت کریں گے۔ اے نور نظر لخت جگر یہ تمام کام تمہارے ذمہ کیے جاتے ہیں۔ میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو گے تمہیں میدان جانے کی اجازت نہیں ہے ۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے بھائی تو جاں نثاری کی سعادت پا چکے ہیں اور حضور کے سامنے ہی ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش رحمت و کرم میں پہنچے۔ میں تڑپ رہا ہوں مگر حضرت امام نے کچھ پذیرہ نہ فرمایا اور امام زین العابدین کو ان تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اور خود جنگ کے لیے تیار ہوئے۔ قبائے مصری پہنی اور عمامہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سر پہ باندھا سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سپر پشت پر رکھی۔ حضرت حیدر کرّار کی ذوالفقار آبدار حمائل کی۔ اہل خیمہ نے اس منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا۔ امام میدان جانے کے لیے گھوڑے پہ سوار ہوئے۔ اس وقت اہل بیت کی بےکسی انتہا کو پہنچی ہے اور ان کا سردار اُن سے طویل عرصہ کے لیے جُدا ہوتا ہے ۔ ناز پروردوں کے سروں سے شفقت پدری کا سایہ اٹھنے والا ہے۔ نونہالان اہل بیت کے گرد یتیمی منڈلا رہی ہے۔ ازواج سے سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ دُکھے ہوئے اور مجروح دل امام کی جدائی سے کٹ رہا ہے بےکس قافلہ حسرت و یاس کی نگاہوں سے امام کے چہرۂ دل افروز پہ نظر کر رہا ہے۔ سکینہ کی ترسی ہوئی آنکھیں پدر بزرگوار کا آخری دیدار کر رہی ہیں۔ آن دو آن میں یہ جلوے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے والے ہیں۔ اہل خیمہ کے چہروں سے رنگ اڑ گئے ہیں۔ حسرت و یاس کی تصویریں کھڑی ہوئی ہیں۔ نہ کسی کے بدن میں جنبش ہے نہ کسی کی زبان میں تاب حرکت نورانی آنکھوں سے آنسو چمک رہے ہیں۔

خاندانِ مصطفےٰ بے وطنی اور بیکسی میں اپنے سروں سے رحمت و کرم کے سایہ گستر کو رخصت کر رہا ہے۔ حضرت امام نے اپنے اہلِ بیت کو تلقینِ صبر فرمائی۔ رضائے الٰہی پہ صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کی اور سب کو سپردِ خدا کرکے میدان کی طرف رُخ کیا۔ اب نہ قاسم ہیں نہ ابوبکر و عمر و عثمان و عون نہ جعفر نہ عباس۔ جو حضرت امام کو میدان جانے سے روکیں اور اپنی جانیں امام پہ فدا کریں۔ علی اکبر بھی آرام کی نیند سو گئے جو حصولِ شہادت کی تمنا میں بے چین تھے۔ تنہا امام ہیں اور آپ ہی کو اعداء کے مقابل جانا ہے۔

خیمہ سے چلے اور میدان میں پہنچے۔ حق و صداقت کا روشن آفتاب سرزمینِ شام میں طالع ہوا۔ امیدِ زندگانی و تمنائے زیست کا گرد و غبار اس کے جلوے کو چھپا نہ سکا۔ حُبِّ دنیا و آسائش کی رات کے سیاہ پردے آفتابِ حق کی تجلیوں سے چاک چاک ہو گئے۔ باطل کی تاریکی اس کی نورانی شعاعوں سے کافور ہو گئی۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند راہِ حق میں گھر لٹا کر سر بکف موجود ہے۔ ہزارہا سپہ گراں نبرد آزما لشکر گراں موجود ہے اور اس کی پیشانی مصفا پہ شکن بھی نہیں۔ دشمن کی فوج پہاڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہیں اور امام کی نظر میں پرکاہ کے برابر بھی ان کا وزن نہیں۔ آپ نے ایک رجز پڑھی جو آپ کے ذاتی و نسبی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ فرمایا اور اس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے قوم! خدا سے ڈرو جو سب کا مالک ہے جان دینا۔ جان لینا سب اس کے قدرت و اختیار میں ہے اگر تم خداوندِ عالم جل جلالہٗ پر یقین رکھتے اور میرے جدّ حضرت سیدالانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لائے ہو تو ڈرو کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہو گی۔ اعمال کا حساب کیا جائے گا۔ میرے والدین محشر میں اپنی آل کے بے گناہ خون کا مطالبہ کریں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شفاعت گناہ گاروں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان جن کی شفاعت کے امیدوار ہیں وہ تم سے میرے اور میرے جانبازوں کے خونِ ناحق کا بدلہ چاہیں گے۔ تم میرے اہل و عیال اعزہ و اطفال اصحاب و موالی

میں سے ستّر سے زیادہ کو شہید کر چکے ہو اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو۔ خبردار ہو جاؤ کہ عیش دنیا میں پائیداری و قیام نہیں۔ اگر سلطنت کی طمع میں میرے درپے آزار ہو تو مجھے موقع دو کہ میں عرب چھوڑ کر دنیا کے کسی اور حصّہ میں چلا جاؤں۔ اگر یہ کچھ منظور نہ ہو اور اپنی حرکات سے باز نہ آؤ تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہیں۔ الحکم للہ ورضینا بقضاء اللہ۔

حضرتؑ امام کی زبان گوہر فشاں سے یہ کلمات سن کر کوفیوں میں سے بہت لوگ رو پڑے۔ دل سب کے جانتے تھے کہ وہ برسر ظلم و جفا ہیں اور حمایت باطل کے لیے انہوں نے دارین کی روسیاہی کی ہے اور یہ بھی سب کو یقین تھا کہ امام مظلوم حق پر ہیں امام کے خلاف ایک ایک جنبش دشمنان حق کے لیے آخرت کی رسوائی و خواری کا موجب ہے اس لیے بہت سے لوگوں پر اثر ہوا اور ظالمان بد باطن نے بھی ایک لمحہ کے لیے اس سے اثر لیا۔ ان کے بدنوں پر پھریری سی آگئی اور ان کے دلوں پر ایک بجلی سی چمک گئی۔ لیکن شمر وغیرہ بدسیرت و پلید طبیعت رذیل کچھ متاثر نہ ہوئے بلکہ یہ دیکھ کر کہ لشکریوں پر حضرت امام کی تقریر کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ قصہ کوتاہ کیجیے اور ابن زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت کر لیجیے تو آپ سے تعارض نہ کرے گا۔ ورنہ بجز جنگ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت امام کو انجام معلوم تھا لیکن یہ تقریر اقامت حجت کے لیے فرمائی تھی کہ انہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نظر، خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کا لخت جگر، بیکسی، بھوک پیاس کی حالت میں آل و اصحاب کی مفارقت کا زخم دل پر لیے ہوئے گرم ریگستان میں بیس ہزار لشکر کے سامنے تشریف فرما ہے۔ تمام حجتیں قطع کر دی گئیں اپنے فضائل اور اپنی بےگناہی سے اعداء کو اچھی طرح آگاہ کر دیا اور بار بار بتا دیا کہ میں بقصد جنگ نہیں آیا اور اس وقت تک ارادہ جنگ نہیں ہے اب بھی موقع دو تو واپس چلا جاؤں مگر بیس ہزار کی تعداد امام کو بےکس و تنہا دیکھ کر جوش بہادری دکھانا چاہتی ہے۔

جب حضرت امام نے اطمینان فرمایا کہ بد ذلان بد باطن کے لیے کوئی عذر باقی

نہ رہا اور وہ کسی طرح خونِ ناحق و ظلم بے نہایت سے باز آنے والے نہیں تو امام نے فرمایا کہ تم جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جس کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ مشہور بہادر اور یگانہ نبرد آزما جن کو سخت وقت کے لیے رکھا گیا تھا میدان میں بھیجے گئے۔ ایک بے حیا۔ ابنِ زہرا کے مقابل تلوار چمکاتا آتا ہے۔ امام تشنہ کام کو آبِ تیغ دکھاتا ہے۔ پیشوائے دین کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے۔ غرور و قوت میں سرشار ہے۔ کثرتِ لشکر اور تنہائی امام پہ نازاں ہے۔ آتے ہی حضرت امام کی طرف تلوار کھینچتا ہے۔ ابھی ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ امام نے ضرب فرمائی۔ سر کٹ کر دُور جا پڑا۔ اور غرورِ شجاعت خاک میں مل گیا۔ دوسرا بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابلے میں ہنرمندی کا اظہار کر کے سیاہ دلوں کی جماعت میں سرخ روئی حاصل کرے۔ ایک نعرہ مارا اور پکار کر کہنے لگا کہ بہادرانِ کوہ شکن شام و عراق میں میری بہادری کا غلغلہ ہے اور مصر و روم میں مَیں شہرۂ آفاق ہوں۔ دنیا بھر کے بہادر میرا لوہا مانتے ہیں۔ آج تم میرے زور و قوت کے اور داؤ پیچ کو دیکھو۔

ابنِ سعد کے لشکری اس متکبر سرکش کی تعلیوں سے بہت خوش ہوئے اور سب دیکھنے لگے کہ کس طرح امام سے مقابلہ کرے گا۔ لشکریوں کو یقین تھا کہ حضرت امام پر بھوک پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے۔ صدموں نے ضعیف کر دیا ہے۔ ایسے وقت میں امام پر غالب آنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ جب سپاہِ شام کا گستاخ جفا جو سرکشانہ گھوڑا کوداتا سامنے آیا۔ حضرت امام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں جو میرے مقابلہ اس دلیری سے آتا ہے ہوش میں ہو۔ اس طرح ایک ایک مقابل آیا تو تیغ خوں آشام نے سب کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ حسین کو کمزور و بےکس دیکھ کر حوصلہ مندیوں کا اظہار کر رہے ہو۔ نامردو میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔ شامی جوان یہ سن کر طیش میں آیا اور بجائے جواب کے امام پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت امام نے اس کا وار بچا کر کمر پہ تلوار ماری۔ معلوم ہوتا تھا کہ کھیرا تھا کاٹ ڈالا۔ اہلِ شام کو اب یہ اطمینان تھا کہ حضرت کے سوا اب اور تو کوئی باقی نہ رہا۔ کہاں تک نہ تھکیں گے۔ پیاس کی حالت، دھوپ کی تپش مضمحل کر چکی

تھی۔ بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت ہے۔ جہاں تک ہو ایک ایک مقابل کیا جائے کوئی تو کامیاب ہو گا اس طرح نئے نئے دمبدم شیر صولت، پیل پیکر، تیغ زن حضرت امام کے مقابل آتے رہے مگر جو سامنے آیا ایک ہی ہاتھ میں اس کا قصہ تمام فرمایا۔ کسی کے سر پر تلوار ماری تو زین تک کاٹ ڈالی۔ کسی کے حمائل ہاتھ مارا تو قلمی تراش دیا خود و مغفر کاٹ ڈالی۔ کسی وہ آئینے قطع کر دیئے۔ کسی کو نیزہ پہ اٹھایا اور زمین پر ٹپک دیا کسی کے سینے میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔

زمین کربلا میں بہادرانِ کوفہ کا کھیت بو دیا۔ نامورانِ صف شکن کے خون سے کربلا کے تشنہ ریگستان کو سیراب فرما دیا۔ نعشوں کے انبار لگ گئے۔ بڑے بڑے فخر روزگار بہادر کام آ گئے۔ لشکر اعدا میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ و یتیم بنا کر چھوڑے گا اور اس کی تیغ بے پناہ سے کوئی بہادر جان بچا کر نہ لے جا سکے گا۔ موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔ فرومایگان روباہ سیرت حضرت امام کے مقابلہ سے عاجز آئے اور یہی صورت اختیار کی اور ماہِ چرخ حقانیت پہ جور و جفا کی تاریک گھٹا چھا گئی اور ہزاروں نوجوان دوڑ پڑے اور حضرت امام کو گھیر لیا اور تلوار برسانی شروع کی اور حضرت امام کی بہادری کی ستائش ہو رہی تھی اور آپ خونخواروں کے انبوہ میں اپنی تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے۔ جس طرف گھوڑا بڑھا دیا پرے کے پرے کاٹ ڈالے۔ دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آ گئے کہ امام کا حملہ جانستان سے رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ ہزاروں آدمیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کا سر اس طرح اڑا رہے ہیں جس طرح بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔ ابنِ سعد اور اس کے مشیروں کو بہت تشویش ہوئی کہ اکیلے امام کے مقابل ہزاروں کی جماعتیں ہیچ ہیں۔ کوفیوں کی عزت خاک میں مل گئی۔ تمام نامورانِ کوفہ کی جماعتیں ایک حجازی جوان کے ہاتھ سے جان نہ بچا سکیں۔ تاریخ عالم میں ہماری نامردی کا واقعہ اہلِ کوفہ کو ہمیشہ رسوائے عالم کرتا رہے گا۔ کوئی تدبیر کرنا چاہیئے۔ تجویز یہ ہوئی کہ دست بدست جنگ میں ہماری ساری فوج بھی اس شیرِ حق

سے مقابلہ نہیں کر سکتی بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ ہر چہار طرف سے حضرت امام پر تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب زخمی ہو چکیں تو نیزوں کے حملوں سے تن نازنین کو مجروح کیا جائے۔ تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے امڈ آئیں اور امام تشنہ کام کو گرداب بلا میں گھیر کر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت باقی نہ رہی ناچار حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امام مظلوم کا تن نازپروردہ مثل خار پشت بنا ہوا ہے۔ نورانی جسم زخموں سے چھلنی چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بے شرم کوفیوں نے سنگدلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا، یہ پیشانی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی۔ یہ سجائے نور حبیب خدا کے آرزومندان جمال کا قرارِ دل ہے۔ بے ادبان کوفہ نے اس پیشانی مصفا اور اس جبین پُرضیا کو تیر سے گھائل کر دیا۔ حضرت کو چکر آیا اور گھوڑے سے نیچے آئے اب نامردان سیاہ باطن نے نیزوں پہ رکھ لیا نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ نعش جگر گوشۂ رسول

ظالمان بدکیش نے اسی پہ اکتفا نہیں کیا اور حضرت امام کی مصیبتوں کا اسی پہر خاتمہ نہیں ہو گیا۔ دشمنان ایمان نے سرِ مبارک کو تن اقدس سے جُدا کرنا چاہا اور نصر ابن خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی۔ خولی ابن یزید پلید نے یا شبل ابن یزید نے بڑھ کر سر اقدس کو تن سے جُدا کیا۔

صادق جانباز نے عہدِ وفا پورا کیا اور دینِ حق پر ثابت قدم رہ کر اپنا کنبہ، اپنی جان راہ خدا میں اس اولوالعزمی سے نذر کی۔ سوکھا گلا کاٹا گیا اور کربلا کی زمین سید الشہدا کے خون سے گلزار بنی۔ سر و تن کو خاک میں ملا کر اپنے جدِ کریم کے دین کی حقانیت

کی عملی شہادت دی اور ریگستانِ کوفہ کے ورق پر صدق و امانت پہ جان قربان کرنے کیلئے نقوش ثبت کیے ــــ أعلی اللہ تعالیٰ مکانه و اسکنه بحبوحة جنانه و امطرعلیه شابیب رحمة و رضوانه ۔ کربلا کے بیابان میں ظلم وجفا کی آندھی چلی مصطفائی چمن کے غنچہ و گل بادِ سموم کی نذر ہوگئے۔ خاتونِ جنت کا لہلہاتا باغ دوپہر میں کاٹ ڈالا گیا۔ کونین کے متاع بے دینی و بے حرمتی کے سیلاب سے غارت ہوگئے۔ فرزندانِ آلِ رسول کے سر سے سردار کا سایہ اٹھا۔ بچے اس غریب الوطنی میں یتیم ہوئے، بیبیاں بیوہ ہوئیں، مظلوم بچے اور بیکس بیبیاں گرفتار کیے گئے۔

محرّم سنہ ۶۱ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے روز چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر میں حضرت امام نے اس دارِ ناپائیدار سے رحلت فرمائی اور داعیٔ اجل کو لبیک کہی ابن زیاد بدنہاد نے سرِ مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرایا اور اس طرح اپنی بےحمیتی و بےحیائی کا اظہار کیا، پھر حضرت سید الشہداء اور ان کے تمام جانباز شہداء کے سروں کو اسیرانِ اہلِ بیت کے ساتھ شمر ناپاک کی ہمراہی یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سرِ مبارک اور اہلِ بیت کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا اور وہاں حضرت امام کا سرِ مبارک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا یا حضرت امام حسن کے پہلو میں مدفون ہوا۔

اس واقعہ ہائلہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا اور قلبِ مبارک کو جو صدمہ پہنچا اندازہ اور قیاس سے باہر ہے۔ امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ایک روز میں دوپہر کے وقت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سنبل معنبر و گیسوئے معطر بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ دستِ مبارک میں ایک خون بھرا شیشہ ہے۔ یہ حال دیکھ کر دل بےچین ہوگیا۔ میں نے عرض کیا اے آقا! قربانت شوم یہ کیا حال ہے۔ فرمایا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیقوں کا خون ہے۔ میں اسے آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اس تاریخ و وقت کو یاد رکھا۔ جب خبر آئی تو معلوم ہوا

کہ حضرت امام اسی وقت شہید کیے گئے۔ حاکم نے بیہقی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث روایت کی۔ انہوں نے بھی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سرِ مبارک وریش اقدس پر گرد وغبار ہے۔ عرض کیا۔ جان ما کنیزان نثار تو باد۔ یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے فرمایا ابھی امام حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ بیہقی ابونعیم نے بصرہ ازدیہ سے روایت کی کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو آسمان سے خون برسا۔ صبح کو ہمارے مٹکے، گھڑے اور تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔ بیہقی ابونعیم نے زہری سے روایت کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس روز شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا۔ بیہقی نے ام حبان سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن اندھیرا ہو گیا اور تین روز کامل اندھیرا رہا اور جس شخص نے منہ پہ زعفران (غازہ) ملا اس کا منہ جل گیا اور بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔ بیہقی نے جمیل بن مرہ سے روایت کی کہ یزید کے لشکریوں نے لشکر امام میں ایک اونٹ پایا اور امام کی شہادت کے روز اس کو ذبح کیا اور پکایا اور پکایا تو اندراین کی طرح کڑوا ہو گیا۔ اور اس کو کوئی نہ کھا سکا۔ ابونعیم نے سفیان سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میری دادی نے خبر دی کہ حضرت امام کی شہادت کے دن میں نے دیکھا ورس (کسم) راکھ ہو گیا اور گوشت آگ ہو گیا۔ بیہقی نے علی بن شیر سے روایت کی کہ میں نے اپنی دادی سے سنا وہ کہتی تھیں کہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانے میں جوان لڑکی تھی۔ کئی روز آسمان رویا۔ یعنی آسمان سے خون برسا۔ بعض مؤرخین نے کہا کہ سات روز تک آسمان خون رویا۔ اس کے اثر سے دیواریں اور عمارتیں رنگین ہو گئیں۔ اور جو کپڑا اس سے رنگین ہوا اس کی سُرخی پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔ ابونعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس طرح نوحہ خوانی کرتے سُنا۔

مسح النبی جبینہٗ فلہ بریق فی الخدود

اس جبین کو نبی نے چوما تھا — ہے وہی نور اس کے چہرے پر
ابواہ من علیا قریش — جدہٗ خیر الجدود
اس کے ماں باپ برترینِ قریش — اس کے نانا جہاں سے بہتر

ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد سے سوائے آج کے کبھی جنوں کو نوحہ کرتے اور روتے نہ سنا تھا مگر آج سنا تو میں نے جانا کہ میرا فرزند حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گیا۔ میں نے اپنی لونڈی کو بھیج کر خبر منگائی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام شہید ہو گئے۔ جن اس نوحہ کے ساتھ زاری کرتے تھے۔

الا یا عین فاحتفلی بجہد — ومن یبکی علی الشہداء بعدی
ہو سکے جتنا رو لے اے چشم — کون روئے گا پھر شہیدوں کو
علی رھط تقودھم المنایا — الی متجبر فی ملک عبد
پاس ظالم کے کھینچ کر لائی — موت ان بیکسوں غریبوں کی

ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے روایت کی وہ کہتے ہیں۔ واللہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ جب سرِ مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ نیزے پر لیے جاتے تھے اس وقت میں دمشق میں تھا۔ سرِ مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا۔ اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا — (اصحابِ کہف درقیم ہماری نشانیوں میں سے تھے) اس وقت اللہ تعالیٰ نے سرِ مبارک کو گویائی دی۔ بزبانِ فصیح فرمایا۔ اَعۡجَبُ مِنۡ اَصۡحَابِ الۡکَہۡفِ قَتۡلِیۡ وَحَمۡلِیۡ — (اصحابِ کہف کے قصہ کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے)

درحقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحابِ کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرت امام کو ان کے نانا کی امت نے مہمان بنا کر بلایا۔ پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا۔ آل و اصحاب کو حضرت امام کے سامنے شہید کیا۔ پھر خود حضرت امام کو شہید کیا۔ اہلِ بیت کو اسیر کیا۔ سرِ مبارک کو شہر شہر پھرایا۔ اصحابِ کہف ۳۰۹ سال کی طویل خواب کے بعد بولے۔

یہ ضرور عجیب ہے مگر سرِ مبارک کا تن سے جُدا ہونے کے بعد کلام فرمانا اس سے عجیب تر ہے۔

ابو نعیم نے بطریق ابن الہیعہ ابی جنبل سے روایت کی کہ حضرت امام کی شہادت کے بعد جب بدنصیب کوفی سرِ مبارک کو لے کر چلے اور پہلی منزل میں ایک پڑاؤ پر بیٹھ کر شربت و خرما پینے لگے اس وقت ایک لوہے کا قلم نمودار ہوا اس نے خون سے یہ شعر لکھا۔

اترجوا امۃ قتلت حسینا   شفاعۃ جدہ یوم الحساب

یہ بھی منقول ہے کہ ایک منزل میں جب اس قافلہ نے قیام کیا وہاں ایک دیر تھا۔ دیر کے راہب نے ان لوگوں کو اسّی ہزار درہم دے کر سرِ مبارک کو ایک شب اپنے پاس رکھا۔ غسل دیا۔ عطر لگایا۔ ادب و تعظیم کے ساتھ تمام شب زیارت کرتا اور روتا رہا۔ اور رحمت الٰہی کے جو انوار سرِ مبارک پر نازل ہو رہے تھے۔ ان کا مشاہدہ کرتا رہا حتیٰ کہ یہی اس کے اسلام کا باعث ہوا۔ اشقیاء نے جب دراہم تقسیم کرنے کے لیے تھیلیوں کو کھولا تو دیکھا سب میں ٹھیکریاں بھری ہوئی تھیں اور ان کے ایک طرف لکھا ہے۔ ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون۔ (خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو) اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ بیٹھتے ہیں)۔

غرض زمین و آسمان میں ایک ماتم برپا تھا۔ تمام دنیا رنج و غم میں گرفتار تھی۔ شہادت امام کے دن آفتاب کو گرہن لگا ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر کو تارے نظر آنے لگے۔ آسمان رویا۔ زمین روئی، ہوا میں جنّات نے نوحہ خوانی کی۔ راہب تک اس حادثہ قیامت نما سے کانپ اٹھے اور رو پڑے۔ فرزندِ رسول جگر گوشہ بتول، سردارِ قریش امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک ابنِ زیاد متکبر کے سامنے طشت میں رکھا جائے اور وہ فرعون کی طرح مسندِ تخت پہ بیٹھے۔ اہلِ بیت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں۔ ان کے دلوں کا کیا حال ہوگا۔ پھر سرِ مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پہ پھرایا جائے اور وہ یزید پلید کے سامنے لاکر اسی طرح رکھے جائیں اور وہ خوش ہو اس کو کون برداشت کر سکتا ہے۔ یزید کی رعایا

بھی بگڑ گئی اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اس پر اس نابکار نے اظہارِ ندامت کیا مگر یہ ندامت اپنی جماعت کو قبضہ میں رکھنے کے لیے تھی۔ دل تو اس ناپاک کا اہلِ بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت امام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ نے آپ کے اہلِ بیت نے صبر و رضا کا وہ امتحان دیا جو دنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ راہِ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ یہ کمال شہادت و جانبازی ہے اور اس میں امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حق و صداقت پر استقامت و استقلال کی بہترین تعلیم ہے۔ (صدر الافاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی)

زندگی جاوید شہزادہ

حضرت سیدنا امام حسین، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کے نورِ نظر اور حضرت خاتونِ جنت سیدہ نساء فاطمۃ الزہرا بنت حضور سرورِ کونین سلطانِ دارین رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لختِ جگر تھے۔ آپ کی ولادت ۳ شعبان ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ولادت کی نوید سن کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ آپ کو گود میں اٹھایا۔ پیار کیا۔ داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دی۔ ساتویں دن ختنہ اور دو بکروں کی قربانی کے ساتھ عقیقہ کرایا۔ بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی اور ایک بکری کی ران قابلہ (اسماء بنت عمیس) کو مرحمت فرمائی (حاکم)۔ حضور نے آپ کو ابو عبداللہ کی کنیت اور سیدہ قرۃ العین نے طیّب اور شہید کے القاب سے مشرف فرمایا۔

تعلیم و تربیت چونکہ باب العلم اور خاتونِ جنت کے علاوہ حضور مدینۃ العلم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں ہوئی تھی اس لیے آپ علم و حلم، محبوبیت صبر و استقلال، اولوالعزمی، سخاوت، شجاعت، تدبّر، عاجزی و انکساری، حق گوئی، حق پسندی اور راضی برضائے مولیٰ کے مجسمہ تھے۔

اوصافِ جلیلہ کے ضمن میں حضرت ابنِ ابی شیبہ اور حضرت ابن عربی کی یہ شہادت اس مختصر مضمون میں کافی ہوگی۔

"كان عالماً بالقرآن عاملاً عليه زاهداً تقياً ورعاً جواداً فصيحاً بليغاً عارفاً بالله ودليلاً على ذاته تعالى"	"حضرت امام حسین قرآن کے ایک عالم باعمل زاہد متقی منزہ عن المعاصی متورع، صاحب جود و کرم، صاحب فصاحت و بلاغت، عارف باللہ اور ذاتِ باری کی حجت تامی تھے"
"كان الحسين البسط آية من آيات الله"	"حضرت حسین نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اللہ کی نشانیوں میں سے تھے"

یہ تو ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جو سراپا فضائل ہو جس کی ہر ادا، جس کا ہر فعل، جس کا ہر عمل، جس کا خُلق اور جس کا کریکٹر سرچشمۂ فضیلت ہو۔ اس کا فضائل مجھ جیسا کیا، میرے جیسے لاکھوں اور کروڑوں افراد بھی ضبطِ تحریر میں نہیں لا سکتے۔ مگر حصولِ برکت و سعادت دارین کی خاطر تبرکاً اور تیمناً اس بحرِ فضائل کے دو چار قطرات یہاں اس لیے ڈالے جا رہے ہیں کہ بادہ خورانِ معرفتِ الٰہی، سرشارانِ محبت حضرت رسالت مآب اور فدا کارانِ اہلِ بیت رسولِ ہاشمی کی کچھ تسکینِ خاطر ہو سکے۔

حضرت سیدنا امام حسین باتفاق رائے اہلِ بیت میں سے تھے۔ اور اہلِ بیت کے طیب و طاہر ہونے پر اس سے بڑھ کر اور کونسا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ خود خالقِ عالم فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پارہ ۲۲ احزاب)

جب ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (پارہ ۲۲ احزاب) نازل ہوئی تو کعب بن عجرہ نے حضرت رسولِ خدا سے پوچھا "آپ پر کیوں کر درود بھیجوں؟"

حضور نے فرمایا کہو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد (بخاری شریف کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ علی النبی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی دل جوئی اور دلداری کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر حالتِ نماز میں ان دو جگر گوشوں میں سے کوئی بھی دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتے یا جسمِ اطہر سے لپٹ جاتے تو اس وقت تک بقیہ ارکان کو

ادا نہیں فرماتے جب تک یہ خود نہ ہٹ جائیں (طبری طبقات ابن سعد۔ بخاری مسلم) تاکہ ان کے رخسار اور نورانی ابروؤں پر بل نہ پڑ سکے۔

حضرات حسنین کی شان میں حضور کی زبان گہر فشاں سے یہ موتی نچھاور ہوئے ہیں "حسن اور حسین میرے دو پھول ہیں"...... "حسن اور حسین جوانانِ بہشت کے سردار ہیں" (احمد ترمذی طبرانی، حاکم)...... "محبِّ حسین محبوبِ خدا ہے" (امام احمد بن حنبل از یعلی بن عمرہ) "حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں" (امام بخاری، ابن ماجہ، ترمذی، حاکم اور سنن ابو داؤد) یعنی حسین میری اولاد میں ہیں اور میرے دین کی بقا حسین سے ہوگی! حسین کے خون سے اسلام کا شجر سینچا جائے گا اور رہتی دنیا تک رہے گا۔

حضرت آقائے کائنات مولیٰ مشکل کشا حضرت علی کے زمانۂ خلافت ہی میں حضرت امیر معاویہ بھی عرب کے ایک حصّہ میں مملکت اسلامیہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کی شہادت (رمضان سنہ ۴۰ھ) کے بعد مسلمانوں نے باتفاق رائے حضرت سیدنا امام حسن کو اپنا سردار اور خلیفہ بنایا مگر آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اگر عرب کے ایک حصّہ میں مجھ سے اور دوسرے میں حضرت امیر معاویہ سے بیعت کرنے والے رہیں گے تو لامحالا بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ایک نہ ایک دن یہ مقدس سرزمین سُرخ ہو جائے گا اس لیے چھ ماہ مسندِ خلافت کو زینت بخشنے کے بعد آپ اس سے دستبردار ہوگئے۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ اپنے لڑکے یزید کے حق میں بیعتِ خلافت لینے لگے اور اگرچہ یزید کے حق میں بیعتِ خلافت لی جا رہی تھی کمتر لوگ بہ طیبِ خاطر اور بیشتر بہ جبر و اکراہ اس بیعت کے حق میں تھے لیکن اس پر بھی یزید کی نگاہ میں حضرت امام حسن کا وجود بہت زیادہ کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ آپ کو مدینہ کے گورنر مروان کی اعانت سے پانچ مرتبہ زہر دلوایا۔ آخری بار ایک کے پینے کے ساتھ جو زہر ہلاہل ملا کر دیا تو آپ کے جسمِ اطہر کے ساتھ عناصر کی قید نہ رہ سکی اور سنہ ۵۰ھ میں آپ رحمتِ ایزدی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون —— حالانکہ ہر شخص کو یقین ہو چکا تھا کہ حضرت سیدنا امام حسین اپنے بھائی حضرت سیدنا امام حسن کی وصیّت کے

مطابق نہ ان کے قاتل سے بدلہ لیں گے اور نہ ہی اس کے مددگاروں سے۔ مگر پھر بھی یزید کی نظر میں اس کے اقتدار اور استحکام سلطنت کے لیے آپ کی ذاتِ گرامی ایک زبردست رکاوٹ بنی ہوئی تھی اس لیے اس نے حضرت امام حسن کی شہادت کے تقریباً دس سال بعد اپنے دوستوں، اطاعت شعاروں، جاسوسوں، سپہ سالاروں اور حرص و آز کے بندوں کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ جس صورت سے بھی ہو (امام) حسین کو کوفہ بلالو چنانچہ لوگوں نے بیسیوں خطوط امام عالی مقام کی خدمتِ عالیہ میں بھیجے جس میں اس بات پر زور دیا کہ چونکہ یزید ایک فاسق و فاجر انسان ہے اور آپ ابن رسول ہیں آپ کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو بھی بیعت لینے کا مجاز نہیں ہے اس لیے آپ تشریف لایئے تاکہ ہم غلامانِ نبی آپ کے دستِ حق پر بیعت لیں۔

سیدنا امام ہمام یزید جیسے "امیر المومنین" اور اس کے اموی بہادروں اور سیاستدانوں کے مکر و فریب کو خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے مگر صرف اس خیال سے کہ حق ہمیشہ کے لیے حق بن کر چمکے اور باطل سدا کے لیے سرنگوں ہو جائے اور اس کا نام و نشان مٹ جائے آپ نے اپنے اہل و عیال، قرابت مندوں اور جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا اور منزل بہ منزل ہوتے ہوئے محرم الحرام ۶۱ھ میں میدانِ کربلا میں خیمہ اقامت نصب فرما کر اسلام کی تاریخ کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں حق کی حمایت کا سنہرا باب کھول دیا اور اس ایٹمی دور میں بھی مدبرینِ عالم کو کہنا پڑا "حسینی اصول پر عمل کرنے ہی سے غلامی سے نجات مل سکتی ہے ——— امام حسین نے اپنی اور اپنے کنبے قبیلے کی جانیں حق کے لیے نچھاور کر دیں مگر باطل کے سامنے نہیں جھکے۔" (گاندھی جی)

محرم ۶۱ھ کی دسویں تاریخ تک کیا ہوا؟ دس تاریخ کو کیا ہوا؟ اور دس تاریخ کے بعد کیا ہوا؟ اسے کس طرح لکھوں؟ بس یوں سمجھ لیجئے کہ سیدنا امام حسین کے صاحبزادے، بھتیجے، بھانجے، جاں نثار اور فدا کار جن میں اسّی برس کے بوڑھے (حبیب ابن مظاہر) سے لے کر چھ ماہ کے شیر خوار (حضرت علی اصغر) تک کو ظالموں اور سفاکوں نے اپنی ازلی بدبختی اور شقاوتِ قلبی کی بنا پر تیروں، نیزوں اور تیغوں کا نشانہ بنا کر جام شہادت پلایا اور دس تاریخ

عصر کے وقت عین حالتِ نماز میں ابن رسول جگر گوشۂ بتول نور دیدۂ شیرِ خدا سردارِ جوانانِ جنت حضرت سیدنا امام حسین کے سرِ مبارک کو شمر لعین نے جسمِ اطہر سے جدا کر دیا۔
آہ! ثم آہ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دس تاریخ کے بعد مخدراتِ عالیات کو آہ! ظالموں نے رسن بستہ کر کے شہروں کی سڑکوں اور گلیوں کا چکر لگوایا اور حد درجہ تکالیف اور مصائب کا نشانہ بنایا۔

حضرت امام حسین کی شہادت جن اغراض اور جن مقاصد کی خاطر عمل میں لائی گئی ان میں ایک بھی پورے نہیں ہوئے یعنی نہ ہی یزید تختِ خلافت پر بیٹھ سکا (کیونکہ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد اس نے دنیا سے کوچ کیا) اور نہ ہی زندۂ جاوید امام کے نام کو مٹا سکا۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یزید مر گیا مگر امام حسین ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ کے مطابق زندہ ہیں۔

امام حسین سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے، ان کے نام پر صدقہ و خیرات کرنا سعادتِ ابدی کا حاصل کرنا ہے ان کے عمل کو اپنانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اپنا مونس بنانا ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنانا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ امام حسین صرف میرے نہیں بلکہ سبھوں کے امام یعنی بین الاقوامی امام اور بین الاقوامی شہید ہیں۔ سچ ہے ؎

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین — دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم
اللّٰھم اغفنا بمحبتھم۔ اللّٰھم احشرنا فی زمرتھم آمین یارب العالمین

(سید ابو الفرح)

خلافت معاویہ ویزید

عقل ونقل کے پیمانے میں

کچھ عرصہ سے پاکستان میں بعض رسوائے عالم کتابیں خلافت معاویہ ویزید تحقیق سید و سادات، تحقیق مزید، سادات بنو امیہ اور کتاب رشید ابن رشید چھپ کر علمی اور نظریاتی دنیا میں وجہ نزاع بنتی جا رہی ہے۔ ان کتابوں کے بدنام زمانہ مصنفین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں یزید کے مقام کو بلند تر دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا یا جا رہا ہے ان کی اس حرکت مذبوحی کے پیچھے وہ اعتقادی قوتیں کار فرما ہیں جو بزرگان دین، حضرات آئمہ اسلام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو عامیانہ اور گستاخانہ انداز سے پیش کرتی رہتی ہیں پھر آج کی پڑھی لکھی دنیا کو مرعوب کرنے کے لیے تاریخی حوالوں کے خود ساختہ اقتباسات لکھ کر باور کرایا جاتا ہے کہ یہ سارا کام تیرہ سو سال گزرنے کے بعد تحقیق و تفتیش کی عمارت استوار کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ محمود عباسی صاحب خصوصیت کے ساتھ اس فنکاری کے امام مانے جا رہے ہیں اور وہ اندھوں کی دنیا کے "حقائق نگار" مشہور ہوتے جا رہے ہیں۔

اگر آپ کو اپنے ملک کی اس کہاوت سے اتفاق ہے کہ اندازہ کے لیے "دیگ کا ایک چاول کافی ہے" تو اسی روشنی میں رسوائے عالم کتاب کے چند مقامات کی نشاندہی کرتا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ عقلی اور نقلی دونوں حیثیت سے کتاب خلافت معاویہ ویزید غیر مستند اور ناقابل تسلیم ہے اور آپ یہ فیصلہ بھی کر سکیں گے کہ عباسی کی نظر میں محض تصویر کا ایک ہی رُخ ہے اور سہواً نہیں بلکہ عمداً دوسرے رخ سے نہ صرف بے اعتنائی برتی گئی ہے بلکہ اس پر غبار اڑانے کی سعی ناکام کی گئی ہے۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم ایک ہی روپیہ کی دو تصویریں ہیں جس کے سمجھنے کیلئے حسب ذیل شجرۂ نسب کافی ہوگا۔

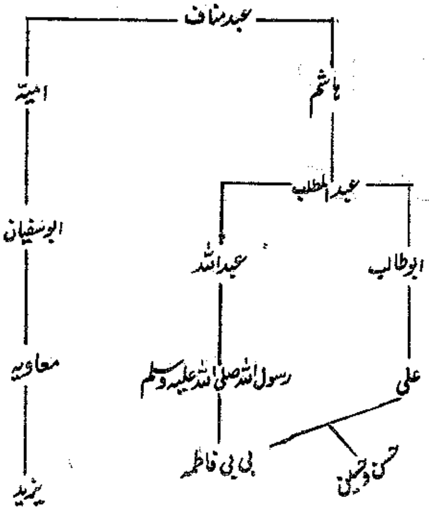

رسول کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے باپ کے یہاں دو جڑواں بچّے ہاشم اور امیّہ پیدا ہوئے تھے اور دونوں تلوار سے علیحدہ کیے گئے خدا کی شان کہ دونوں زندہ رہے۔

افسوس کہ جس تلوار پر ہاشم کے خون کی چھینٹیں پڑ چکی تھیں اس نے کربلا کے میدان میں آلِ پیغمبر کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور جو کچھ رہی سہی کسر باقی رہ گئی تھی محمود عباسی، عامر یزیدی اور عثمان فارقلیط اڈیٹر الجمعیۃ دہلی کا قلم اس کی تکمیل کر رہا ہے۔ ہزاروں رحمتیں نازل ہوں دامادِ رسول علی ابن ابی طالب پر جنہوں نے فرمایا اور سچ فرمایا۔

جراحات السنان لها التيام	خنجر کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا
ولا يلتام ما جرح اللسان	زخم کبھی پُر نہیں ہوتا۔

چنانچہ اسی زخم کاری کی ایک مہم جاری ہے جس پہ پوری ملّت اسلامیہ خون کے آنسو رو رہی ہے۔

اس کتاب سے متعلق چند ضروری اشارے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جناب عباسی صاحب اپنی کتاب کے صہ ۳۹ پر رقمطراز ہیں۔

"حضرت امیر معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ ان کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت، ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔

بہت خوب! حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی، چونکہ وہ صحابی ہیں اور صحابیت کو عدالت لازمہ ہے۔ لہٰذا آپ مجھے دریافت کرنے دیجئے کہ حضرت سیدنا مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ صرف

صحابیٔ رسول بلکہ دامادِ رسول بھی ہیں، تو قانون کی یہ دفعہ حضرت علی کے بارے میں کیوں نہ اختیار کی گئی؟ اور حضرت علی کے بارے میں چند در چند شکوک و شبہات پیدا کرکے اپنے نامۂ اعمال کو کیوں سیاہ کیا گیا۔ ؎

ڈرو خدا سے ڈرو خوفِ کبریا سے ڈرو نبی کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو

اگر عباسی صاحب کو اس حدیث پر اعتماد و بھروسہ ہوتا کہ:۔

أصحابی کالنجوم بایھم	میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں جس کی
اقتدیتم اھتدیتم۔	بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔
اصحابی کلھم	میرے صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔
عدول مثل اھل بیت	میرے اہلبیت سفینۂ نوح کے مثل ہیں جو
کسفینۃ نوح۔	اس پر سوار ہوگا اس نے نجات پائی اور
(الخ)	جس نے اعراض کیا وہ ڈوب گیا۔

تو انہیں بنو ہاشم اور آلِ رسول کے سب و شتم کے لیے قلم اٹھانے کی زحمت ہی نہ پڑتی۔ بالفرض جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ کے دیکھنے سے اگر پراگندگیٔ دماغ کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا تو اس کا علاج گالی گلوچ اور تبرا بازی سے نہ کرتے بلکہ یہ سوچ کر خاموش رہتے کہ تابعین اور اجل صحابہ کی مقدس جماعت سے ان کے حق میں کف لسان اور خاموش رہنا ہی باعث سعادت ہے جیساکہ اہل سنت و جماعت کا مذہب و مسلک ہے مگر میاں کا نقشہ ہی الگ تھلگ ہے۔ ایک طے شدہ ذہنی پلان (PLAN) ہے جس کی تائید و حمایت میں کہیں قرآن و سنت کا بے محل استعمال ہے اور کہیں دشنام طرازی کا بے جوڑ پیوند کم از کم میری فکر و فہم سے یہ بات باہر ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی جس صحابیت کے سامنے جناب عباسی کا قلم لرزاں و ترساں ہے وہ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں کیوں بہکا بہکا پھر رہا ہے۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

اب جناب عباسی کی ایک نئی تحقیق ملاحظہ کیجئے۔ خلافت معاویہ و یزید ص ۲۲۳

حادثۂ کربلا بس اتنی دیر میں ختم ہوگیا تھا جتنی دیر میں قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے

یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں "۔

عباسی کی انوکھی تحقیق سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ مؤلف نے قلم اٹھانے سے پہلے یہ تہیّہ کرلیا ہے کہ جو بات کہی جائے وہ نئی ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کے خونخوار درندے آلِ پیغمبر کی گھات میں بیٹھے تھے اور حسینی قافلے کو دیکھتے ہی چیل، کوؤں۔ گدھ اور کتّوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

نہ رسمِ مہر سے واقف نہ آئینِ وفا جانے

وہ نہ تو رسم سلام و کلام سے نا آشنا تھے اور نہ ہی ادائے میزبانی کے طرز سے، اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ ـــــ عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔

اتنا لکھ دینے سے نہ تو یزید کی پیشانی سے کلنک کا ٹیکہ صاف ہوگیا اور نہ ہی عبیداللہ بن زیاد اور عمرو بن سعد کے دامن سے خون کی چھینٹیں دُھل گئیں، ظالم، ظالم رہا اور مظلوم مظلوم۔

اب ایک اور نئی تحقیق ملاحظہ کیجئے کہ "امام عالی مقام دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوکر دس محرم الحرام کو کربلائے معلّٰی پہنچے" جس کے لیے خلافت معاویہ و یزید صہ۱۵۴ و صہ۱۵۵ ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے اثبات میں عباسی نے فنکارانہ چابکدستیوں سے کام لیتے ہوئے اپنے کو حساب، تاریخ، جغرافیہ اور ہندسہ وغیرہ میں یکتائے روزگار ثابت کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔ بات بات میں قرآن وسنت کا نام لے کر علماء کو مرعوب کرتا ہے اور دو صفحے کا ایک من گھڑت خاکہ کھینچ کر نیولائٹ طبقے کو ایک قسم کی دھمکی دیتی ہے حالانکہ دونوں اس ڈھول کا پول اچھی طرح جانتے ہیں، علماً اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ عباسی کی حیثیت قرآن فہمی اور حدیث دانی میں صفر کے برابر ہے اور انگریزی داں طبقہ یہ جانتا ہے کہ آنجناب تاریخ و جغرافیہ سے قطعاً نابلد ہیں ورنہ عباسی صاحب بھارت میں اگر وزیرِ تعلیمات نہ سہی تو کم از کم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرنسپل ہی ہوتے اور اگر امروہہ چھوڑ کر پاکستان گئے تھے تو وہاں جوتیاں چٹخارتے نہ پھرتے بلکہ چند قدم آگے بڑھ کر جامعہ

ازہرِ مصر کے شیخ الحدیث ہوتے۔ یہ کیا قیامت ہے کہ پوچھ گچھ کہیں نہیں اور نام چرٹی مار خاں ساری دنیا ایک طرف اور آں بدولت ایک طرف۔

اب عباسی صاحب کی تحقیق پر میری ایک رائے ملاحظہ کیجئے کہ آنجناب نے یہ شگوفہ کیوں چھوڑا۔ میری اپنی نظر میں اس روایت کے تین گوشے قابلِ توجہ ہیں۔

اس رائے کے پس پردہ یہ نظریہ کار فرما ہے کہ کربلا سے متعلق جتنی بھی روائتیں ہیں انہیں یکسر دریا بُرد کر دیا جائے اور جس طرح سے اور بہت سے واقعاتِ شہادت ہیں انہی میں اس کا بھی شمار کر لیا جائے اس پر طرفہ تماشا یہ کہ امامِ عالی مقام کو معاذ اللہ باغی قرار دے کر بجائے شہید کے مقتول کہا جائے۔ یہ وہ زاویۂ فکر ہے جس کو اب سے کچھ دونوں پیشتر مولوی عبد الشکور لکھنوی خارجی نے اپنے اخبار النجم میں ظاہر کیا تھا اس کے باوجود علمائے دیوبند اس خارجی کو اپنا امام و مقتدا جانتے ہیں۔

۲۔ اور یہ رائے جس محور پر گردش کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ سرکارِ حسین فریضۂ حج سے سبکدوش ہوئے بغیر کیونکر عازمِ سفر ہو سکتے تھے؟ اس لیے عباسی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ امام عالی مقام نویں ذوالحجہ کو مناسکِ حج سے فارغ ہو کر دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور دس محرم الحرام کو کربلا پہنچے۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو امام جیسی شخصیت کو ترکِ فرض کا مرتکب ہونا پڑے گا۔

کیا کہنا ہے خارجیوں کے محقق کا! اس غریب کو یہ خبر بھی نہیں کہ امام کے لیے حج کی حیثیت فرض کی ہے یا نفل کی۔ اس کو تو اسلامی گھرانے کا ایک ذی شعور بچہ بھی جانتا ہے کہ حج کی فرضیت نماز اور روزہ جیسی نہیں ہے۔ نماز رات اور دن میں پانچ وقتوں میں فرض ہے اور ہر مسلمان عاقل، بالغ اور تندرست پر ایک مہینہ کا روزہ، لیکن حج اپنے جملہ شرائط کے ساتھ عمر میں صرف ایک بار، اس کے بعد جتنی دفعہ بھی حج کیا جائے وہ فرض نہیں بلکہ نفل ہوتا ہے۔ گویا چھپّن ۵۶ برس کی عمر میں حادثۂ کربلا پیش آیا اور اب تک سرکارِ حسین فریضۂ حج سے سبکدوش بھی نہ ہو سکے تھے؟ جہاں اتنی نئی باتیں لکھی تھیں اس میں ایک یہ بھی اضافہ کر دیتے کہ باشندگانِ مکہ پر حج ہر سال فرض ہوتا ہے یا آلِ رسول

پر حج ہر سال فرض ہوتا ہے یا امام نے اب تک حج کیا ہی نہ تھا اور یہ معلوم تھا کہ کربلا سے واپسی نہ ہو سکے گی لہٰذا حج جیسے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔ آخرش اس قدر لکھ دینے سے کون آپ کی کلائی تھام لیتا۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں عباسی کے قلم نے وہ ٹھوکر کھائی ہے جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ عباسی کی معرکۃ الآرا تحقیق کا ایوان و محل اسی مینار پر کھڑا ہے لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ :-

خشت اول چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

اس لیے یہ کہنا کہ سرکار حسین فریضہ حج سے سبکدوش ہوئے بغیر کیونکر روانہ ہوئے۔ یہ ہمارے حق میں قابل تسلیم نہیں۔ جب یہ بات غلط تو دس ذی الحجہ کی روانگی غلط اور جب تاریخ روانگی غلط تو یہ کہنا بھی سراسر جھوٹ ہے کہ امام دس محرم کو کربلا پہنچے۔

۳۔ اب اس درایت کا تیسرا گوشہ ملاحظہ فرمائیے۔ جناب عباسی کا یہ کہنا ہے کہ اگر دس محرم کو پہنچنے کی تاریخ نہ مانی جائے تو تاریخ روانگی غلط ہو جاتی ہے یا دونوں میں کوئی صورت تطبیق نظر نہیں آتی اس سلسلہ میں اتنی ہی گذارش ہے کہ تاریخ روانگی میں ہزاروں ٹکراؤ ہوں یا سینکڑوں اختلافات ہوں اس کا کوئی اثر کربلا کی ان متداول روایتوں میں نہیں پڑ سکتا جس پر علماء، صلحاء، مورخین اور محدثین کے اتفاق نے تواتر کی مہر ثبت کر دی ہے ورنہ اس کی مثال تو ایسی ہی ہوگی کہ عباسی کے والد ۱۸۵۷ء کے غدر میں پیدا ہوئے اور عباسی کے دادا نے اپنے بیٹے کا نام تاریخی رکھا کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے عباسی صاحب سے دریافت کیا کہ آنجناب کی عمر کیا ہے تو فرمایا کہ میرا تاریخی نام ہے میں غدر والے سال میں پیدا ہوا ہوں۔ لوگوں نے ابجد ہوز کے حساب سے جب سن پیدائش کا استخراج کیا تو ۱۸۵۶ء نکلا۔ اب جناب عباسی کے والد بزرگوار نے فرمایا کہ میری پیدائش تو غدر والے سال ہی میں ہوئی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا غدر ۱۸۵۶ء میں ہوا ہو مگر میرا تاریخی نام غلط نہیں ہو سکتا۔ اگر جناب عباسی صاحب اپنے والد بزرگوار کے تاریخی نام کو ثابت کرنے کے لیے ہندوستان کے غدر کو بجائے ۱۸۵۷ء کے ۱۸۵۶ء میں مان لیں تو شاید ہم بھی کچھ سوچنے پر آمادہ ہوں۔

اور اگر وہ تاریخ ہند کی ایک سطر کو نہیں مٹا سکتے تو ہم تاریخ و حدیث کی بے شمار روایتوں کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں ؟

اب میں اختتام گفتگو پر جناب عباسی صاحب کی تحقیق جدید کا بعض دوسرے مصنفین سے ایک ہلکا پھلکا سا موازنہ پیش کرتا ہوں جس سے آپ جناب عباسی صاحب کی مطلق العنانی کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید صـ۲۲۳ـ پر لکھتے ہیں۔

"برادرانِ مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا ناعاقبت اندیش طور سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ محزون یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا۔"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جنگ کی پہل حسینی قافلہ کی طرف سے ہوئی۔ اب سنیئے جناب ابوالکلام آزاد صاحب اپنی کتاب جن کے بارے میں صـ۲ـ پر فرماتے ہیں۔

"واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی۔ شاید اس قدر کاوش اور جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ مل سکے۔"

آزاد صاحب : معرکۂ کربلا صـ۳۷ـ پر فرماتے ہیں :

"اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی لیکن اس کے جواب میں انہوں (یزیدیوں) نے تیر برسانا شروع کر دیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔ اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی تلوار اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا۔ گواہ رہو سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے پھر تیر بازی شروع ہو گئی۔"

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید صـ۲۲۰ـ۔

"نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ روایتیں محض وضعی و اختراعی ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

آزاد صاحب : معرکۂ کربلا صـ۵۲ - ۵۳ـ۔

"عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے اس کا وقت آیا اس نے پکار کر کہا۔ اس کے لیے کون تیار ہے۔ دس آدمی تیار ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا (ص۵۲) پھر تمام مقتولین کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر سر تھے۔ شمر ذی الجوشن، ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس، یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم چلا اٹھے"

عباسی صاحب: خلافت معاویہ و یزید ص۱۵۴-۱۵۵۔

"امام عالی مقام دس محرم کو کربلا پہنچے"

آزاد صاحب: معرکہ کربلا ص۱۰۱۔

"آخر آپ ایک اجاڑ زمین میں جا کر اتر پڑے۔ پوچھا اس زمین کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا کربلا، آپ نے فرمایا یہ کرب اور بلا ہے، یہ مقام پانی سے دور تھا دریا اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ کا ہے۔"

عباسی صاحب: خلافت معاویہ و یزید ص۲۷۔

"طبری جیسے شیعی مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے۔ یعنی امام طبری پر شیعت کا الزام۔

شبلی صاحب نعمانی: سیرت النبی ص۱۹۔

"تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا"

علامہ ذہبی: میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:۔

هذا رجم بالظن الكاذب بل — یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ

ابن جریر من کبار آئمۃ الاسلام المعتمدین۔	ابن جریر (یعنی امام طبری) اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

عباسی صاحب: خلافت معاویہ و یزید ص۳۱۹۔

" امیر یزید کے مختصر زمانۂ خلافت کے خلاف بیان کرنے میں مؤرخین نے بخل سے کام لیا ہے تاکہ ان کی انصاف پسندی، عدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسّس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں "

نوٹ: عباسی صاحب کو یہ بھی لکھ دینا چاہیئے تھا کہ مؤرخین کی وہ کانفرنس کب منعقد ہوئی تھی، جس میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ عباسی صاحب کے امیر یزید کے حالات بیان کرنے میں بخل سے کام لیا جائے۔

علامہ تفتازانی: یہ حوالہ اس کتاب سے ہے جو درس نظامیہ میں داخل نصاب ہے۔ شرح عقائد نسفی ص۱۱۷۔

فنحن لا نتوقف فی شانہٗ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔	پس ہم یزید اور اس کے ایمان کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے، یزید اور اس کے حواریین اور معین و مددگار پر اللہ کی لعنت ہو۔

عباسی صاحب: خلافت معاویہ و یزید ص۱۳۲۔

" آپ کی ذات ستودہ صفات کونسی پابندیوں میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ آپ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپ سے تعلق رشتہ کی بناء پر وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں "

نوٹ: یہ ایک بہت ہی تفصیلی عنوان ہے جس میں آں بدولت نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اہلبیت کو عام مسلمانوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ (قرآن مجید)	اے پیغمبر آپ لوگوں سے فرما دیں کہ میں تم سے اہلبیت کی محبت کے سوا اپنی پیغمبرانہ زندگی کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔

آخر ش اپنے قرابت داروں کی محبّت کا مطالبہ کس رشتہ و ناطہ سے ہے۔
ایسے ہی دوسرے مقام پر قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے جس کے لیے اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت حضرت علی، سیّدہ فاطمہ، امام حسن، اور امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے حق میں نازل ہوئی۔

انما یرید اللہ لیذھب	اے اہلبیت اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے
عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم	کہ تم سے رجس (ناپاکی) دور کرے اور
تطھیرا۔ (قرآن مجید)	تمہیں خوب پاک کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کالی کملی میں حضرت علی، سیّدہ فاطمہ، امام حسن اور امام حسین کو لے کر یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم ھولاء اھل بیتی و	اے اللہ یہ میرے اہلبیت اور میرے
خاصتی اذھب عنھم الرجس	مخصوصین ہیں ان سے ناپاکی دور فرما
وطھرھم تطھیرا۔ (حدیث)	اور انہیں خوب پاک کر دے۔

نوٹ: اب آلِ رسول کی منقبت میں لسانِ نبوت کے چند جواہر پارے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن جنادہ سے روایت کی کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

علی منی وانا من علی۔ (حدیث) — علی مجھ سے ہے اور میں علی سے

۲۔ ترمذی میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ہمارے نزدیک علی مرتضیٰ سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے۔

۳۔ ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں۔

۴۔ طبرانی و حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علی مرتضیٰ کو دیکھنا عبادت ہے۔

۵۔ ابو یعلیٰ و بزاز نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جس نے علیؓ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔

۶۔ دیلمی کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا دعا رکی رہتی ہے جب تک کہ مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر درود نہ پڑھا جائے۔

۷۔ ثعلبی نے روایت کی کہ " واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا " کی تفسیر میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ہم ہی حبل اللہ ہیں۔

۸۔ دیلمی سے مرفوعاً روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم نے فرمایا میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے ساتھ محبت رکھنے والوں کو دوزخ سے خلاصی عطا فرمائی۔

۹۔ امام احمد نے روایت کی کہ سرکارِ دوعالم نے حسینؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھ سے اور ان کے والد و والدہ سے محبّت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا

۱۰۔ امام احمد نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا اہلِ بیت سے بغض رکھنے والا شخص منافق ہے۔

۱۱۔ ابوسعید نے شرف النبوت میں روایت کیا کہ حضور نے فرمایا اے فاطمہ تمہارے غضب سے غضبِ الٰہی ہوتا ہے اور تمہاری رضا سے اللہ راضی۔

۱۲۔ ترمذی کی حدیث ہے حضور نے فرمایا هما ریحانی من الدنیا۔ وہ دونوں یعنی حسن اور حسین دنیا میں میرے پھول ہیں، سرکارِ دوعالم کبھی سینہ سے لگاتے اور کبھی سونگھتے۔

غرضیکہ صحاح ستہ وغیر صحاح کی کتابیں مناقب اہلِ بیت سے بھرپور ہیں جس کو صرف چشمِ محبّت دیکھ سکتی ہے۔ عباسی جیسے کور باطن کو کیا نظر آئے اس کو تو صرف بنوامیہ اور یزید کے حق میں روایتیں مل سکتی ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو عباسی کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ آج انہوں نے فضائل اہلِ بیت سے چشم پوشی کی ہے اگر کل انہوں نے قیامت میں ان لوگوں سے منہ پھیر لیا تو ان کا کیا حشر ہوگا؟۔

دوستو! ڈرو میدانِ قیامت سے یہ دنیا ناپائدار ہے اور اس کی تمام لذتیں فانی ہیں ایمان بڑی دولت ہے اور جانِ ایمان آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقیدت و

محبت ہے اور یہ محبت اس وقت تک مکمل نہیں تاوقتیکہ آپ کے آل واصحاب کی بارگاہ میں نیازمندی نہ حاصل ہو۔ اسلاف اور بزرگوں کی بارگاہ میں بے ادبی اور دریدہ دہنی سے پرہیز کرو۔ حسین کو گالیاں دے کر جنت میں نہ جاؤ گے۔ بلکہ ان کا شرفِ غلامی تمہیں جنت میں لے جائے گا۔ وہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کی ماں فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار مفسرین، محدثین، آئمہ مجتہدین، علماء، اولیاء اور صلحاء غرضیکہ پوری امتِ مسلمہ اہلِ بیت کی عقیدت و محبت کو حاصل زندگی سمجھتی ہے اور سب کے سب آلِ رسول کی عظمت و حرمت کے قائل ہیں۔ عباسی جیسے ایک نہیں ہزار سر پھرے پیدا ہوں گے مگر مردِ مسلم کے دل سے ان کی عظمت چھین نہیں سکتے۔

رسول اللہ کا وہ پیارا نواسہ جس نے ناموسِ رسالت کی خاطر گھر کا گھر لٹا دیا۔ وہ حسین جس نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا سکھایا۔ اس پر پروردگارِ عالم کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں وہ اپنے جسدِ عنصری میں ہمارے سامنے نہیں مگر ان کی روحانیت ہماری دستگیری و مشکل کشائی کے لیے ہر جگہ حاضر ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ‏ ‏ ‏ ‏ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خارجی نظریات

حقائق کے اُجالے میں

علامہ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" جو عباسی صاحب کی کتاب کا اوّلین ماخذ ہے معرکۂ کربلا کی داستان کا آغاز کرتے ہوئے سرورق پر علامہ نے یہ سرخی قائم کی ہے۔

وھذا صفة مقتله رضی الله عنه یعنی یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سرگذشت ہے۔

ماخوذ من کلام آئمة ھذا	جو اس فن کے آئمہ کی روایات سے
الشان لا کما یزعمه	ماخوذ ہے کہ شیعوں نے واقعات کربلا کے بیان
اھل التشیع من الکذب	میں جسطرح افترا و غلط بیانی سے کام لیا
الصریح والبھتان (ج ۸ ص ۱۷۲)	ہے ان نقائص سے یہ کتاب پاک ہے۔

اس عبارت سے کتاب کی ثقاہت اور اس کے درجۂ اعتبار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کیونکہ عباسی صاحب نے ورق ورق پر شیعی روایات اور وضعی روایات جیسے الفاظ کا حربہ استعمال کر کے ہر اس روایت اور ہر اس واقعہ کا انکار کر دیا ہے جس سے یزید اور اس کے ساتھیوں کے کردار پر کسی طرح کی چوٹ پڑتی ہے۔

ایک اہم ترین سوال جو معرکۂ کربلا کی پوری داستان کا محور ہے اور اسی اساس پر موجودہ تاریخ کا ایوان کھڑا ہے وہ یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کا قاتل کون ہے؟

سینکڑوں صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی عباسی صاحب کا قلم اس حقیقت کے چہرے

لطیف آباد یونٹ نمبر ۸

نقاب کشائی نہیں کرسکا ہے کہ امام حسینؑ و اہلِ بیت کے قتل میں کس کا ہاتھ ہے۔ تاریخ کے طالب علم کا ذہن اور الجھ جاتا ہے جب وہ عباسی کی کتاب میں پڑھتا ہے کہ نہ یزید نے قتلِ حسینؑ کا حکم دیا اور نہ اس سے راضی تھا۔ نہ ابنِ زیاد کے دامن پہ کوئی داغ ہے اور نہ ابنِ سعد کی تلوار پہ کوئی دھبہ! یہ پڑھ کر اچانک پردۂ ذہن پر سوال ابھر آتا ہے کہ شروع سے لے کر اخیر تک سب کے سب بے گناہ و بے تعلق ہیں تو پھر آخر حسینی قافلہ کے بہتر مسافروں کی لاشیں کربلا کی خاک پہ تڑپ تڑپ کر سرد کیسے ہوگئیں؟

میرا خیال ہے کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں کذب و افترا اور قیاس و تخمین کا ایک انبار جمع کرلیا ہے وہاں اتنے جھوٹ کا اور اضافہ کردیتے کہ معاذ اللہ کربلا میں پہنچ کر حسینی قافلہ نے خودکشی کرلی۔ تو ساری مشکل حل ہوجاتی اور یزید کے دامن کا غبار جو آج اپنے چہرے پر مل رہے ہیں، دھونے کی زحمت کی نوبت ہی نہ آتی۔

یزید کی حمایت کا جذبہ نارمل حالت میں ہوتا۔ تو یہ نکتہ عباسی صاحب کی سمجھ میں آجاتا کہ قاتل کی طرف سے خواہ کوئی کتنا ہی صفائی پیش کرے لیکن خود اس کا ضمیر اپنی بے گناہی پر مطمئن کبھی نہیں ہوتا۔ سفاکی اور قہر و جور کا نشہ اتر جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ جرم کا احساس ملامت کرتا ہے بلکہ ندامت پشیمانی اور اندیشہ عقوبت ہمیشہ کے لیے ایک آزار بن جاتا ہے۔ علامہ ابنِ کثیر نے اپنی کتاب میں یزید کے نفسیاتی واردات کی جو حالت بیان کی ہے وہ بالکل اس کی کاپی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

لما قتل ابن زیاد الحسین و من معه بعثت برؤسهم الی یزید فسر بقتله اولا وحسنت بذالک منزلة ابن زیاد عنده ثم لم یلبث الا قلیلا حتی ندم۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۲)	جب ابنِ زیاد نے امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا تو اس نے ان کے مقتول سروں کو یزید کے پاس بھیجا ابتدا میں یزید نے امام حسینؑ کے قتل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ابنِ زیاد کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں بڑھ گئی پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے کرتوت پر شرمسار ہوا۔

پھر جب اندیشہ عقوبت اور ندامت و پشیمانی کی شدت اور بڑھ گئی اور ابنِ زیاد کے

کرتوت اور قتلِ حسین کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ ہُوا تو یزید کفِ حسرت ملنے لگا تلملا اٹھا اور بدحواسی کے عالم میں ابنِ زیاد کو کوسنے لگا۔

فبغضنی بقتله	اس نے حسین کو قتل کرکے مجھے مسلمانوں کی نظر
الی المسلمین وزرع فی	میں دشمن بنادیا اور ان کے دلوں میں میری دشمنی کا
قلوبهم العداوة فابغضنی	بیج بو دیا۔ اب مجھے ہر نیک و بد اپنے تئیں مبغوض
البر و الفاجر بما استعظم	سمجھے گا کیونکہ عام لوگوں کی نگاہ میں میرا حسین کو
الناس من قتلی حسینا مالی	قتل کرنا بہت بڑی شقاوت ہے۔ ہائے افسوس
ولابن مرجانه۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۲)	کیا انجام ہوگا میرا اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا۔

یہ دیکھیے حق ہے زبان کا صحیح ترین مقام! کہ خونِ ناحق کا الزام سر پہ چڑھ کر بول رہا ہے اور جس کی دھمک سے ایوانِ دمشق کے مینار سے ہل گئے۔

کیا اب بھی یزید کی بریّت وصفائی کے لیے کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے "جو چپ رہے گی زبانِ خنجر پکارے گا آستیں کا" یہ مصرعہ شاید اس موقع کے لیے شاعر کے ذہن میں آیا تھا۔

عباسی صاحب کی کتاب میں جو بات سب سے زیادہ دل خراش اور ناقابلِ برداشت ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بحث کا حلقہ یزید کی بریّت وصفائی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد یزید کے مقابلہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیچا دکھانا اور خطاکار و گنہگار ٹھہرانا ہے چنانچہ انہوں نے انتہائی جسارت کے ساتھ شہزادۂ رسول امام عالی مقام کی محترم ذات پر خلافتِ اسلامیہ کے خلاف بغاوت و خروج کا الزام عائد کیا ہے اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کے آگے پیچھے باغیوں کے حق میں وعیدِ عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کا انبار جمع کر دیا ہے تاکہ اچانک ذہن پر ایک چوٹ پڑے۔ اور امام حسین کی عظمت اگر لوحِ قلب سے محو نہ ہو تو کم از کم معرضِ شک میں پڑ جائے۔

بلا خوف و تردید کہہ رہا ہوں کہ عباسی صاحب نے اپنی پوری کتاب ائمہ اسلام اور مسلّم مؤرخین کے مسلک و نظر سے آزاد ہو کر لکھی ہے۔ ان کا قلم تاریخی مسلّمات کے تابع نہیں

بلکہ پوری تاریخ کو انہوں نے قلم کے تابع کر لیا ہے۔ جس واقعہ کا چاہا انکار کر دیا جس روایت سے ذہن متفق نہ ہوا اسے وضعی کہہ دیا جو عبارت مدعا کے خلاف ہوئی اسے غلط کہہ ڈالا نہ قبول ورد کا کوئی معیار ہے اور نہ انکار و اقرار کا کوئی ضابطہ ایک بدمست شرابی کی طرح قلم ہے کہ بہکتا پھرتا ہے۔ یہ کہنا خلافِ واقعہ نہیں ہے کہ عباسی صاحب نے سانحۂ کربلا کی تاریخ لکھی نہیں ہے بنائی ہے۔

علم و تحقیق کے نازک ترین مرحلہ نے نیت کا اخلاص ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا شریک عمل نہیں ہو سکا ہے ان کے قلم کی روشنائی میں جذبات کا عنصر اتنا غالب ہو گیا ہے کہ بے لاگ تحقیق کا نام و نشان بھی کہیں نہیں ملتا ــــــ یزید کے جذبۂ حمایت میں جگہ جگہ انہوں نے ظن و تخمین اور وہم و قیاس کا جھوٹا سہارا لے کر جزم و یقین اور ادغان و اعتقاد کا دامن جھٹک دیا ہے۔

علامہ ابن خلدون جن کے متعلق عباسی صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے۔

> ایک منفرد مثال علاّمہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقدِ درایت سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے لیتھڑ دیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۸)

عباسی صاحب کی نیت اگر صاف ہوتی تو کم از کم یہی دیکھنے کی زحمت گوارا فرما لیتے کہ خود ان کے معتمد مؤرخ ابن خلدون، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مؤقف اور یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

پڑھیے اور سر پیٹیے کہ کیسے کیسے مفتری آپ کے ماحول میں جنم لے رہے ہیں۔

واما الحسین فانہ لما ظہر فسق	لیکن امام حسین کا معاملہ یہ ہے کہ یزید کا فسق و فجور
یزید عند الکافۃ من اہل عصرہ	جب تمام اہلِ زمانہ پر آشکار ہو گیا تو کوفہ کے محبین
بعثت شیعۃ اہل البیت بالکوفۃ	اہلِ بیت نے امام حسین کے پاس چٹھی بھیجی کہ وہ

للحسين ان یاتیھم فیقوموا	کوفہ تشریف لائیں اور اپنا منصبی فریضہ سنبھالیں امام
بامرہ فرأى الحسين ان الخروج	حسین نے بھی دیکھا کہ یزید کی نااہلیت اور اس کے
على يزيد متعين من اجل	فسق کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام اپنی جگہ مقرر اور
فسقه لا سيما من له القدرة	ثابت ہو گیا خاص کر اس شخص کیلئے جو اس امر پر قدرت
على ذالك وظنها من نفسه	رکھتا ہو اور اپنے متعلق امام حسین کا گمان یہ تھا کہ
باهلية وشركته ۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۶)	وہ اس کام کے اہل ہیں اور انہیں اسکی قدرت حاصل ہے

کربلا میں امام حسین کے ساتھ جو معرکہ پیش آیا اس کی بابت علامہ لکھتے ہیں۔

والحسين فيها	یعنی حسین اپنے واقعہ قتل میں شہید اور مستحق
شهيد مثاب وعلى حق	اجر و ثواب ہیں اپنے اقدام میں وہ حق پر
واجتهاد۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۸)	تھے اور یہ ان کا اجتہاد تھا۔

عباسی صاحب کے حق میں امام کے اقدام کی تائید پر اس سے زیادہ مستند شہادت اور کیا ہو سکتی ہے اب عباسی صاحب میں اگر کچھ بھی جرأت ہو تو اپنے معتمد مؤرخ کا گریبان پکڑ کر پوچھیں کہ بغاوت خروج پر ثواب ملتا ہے اور اس راہ میں جو قتل ہو جائے اسے شہید کہتے ہیں۔ کیا اس صراحت کے بعد کہ امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف اپنے اقدام میں حق پر تھے کسی بحث کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

اخیر میں علامہ نے ان لوگوں کے خیالات کا شدت کے ساتھ رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جدال و قتال، فتنہ، بغاوت فرد کرنے کی غرض سے جائز تھا ــــــ اور یزید نے اپنا شرعی حق استعمال کیا۔ ذیل میں ایسے خیالات کی تردید ملاحظہ فرمایئے۔

وقد غلط القاضى ابوبكر ابن العربى	یعنی قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے اپنی کتاب
المالكى فى هذا فقال فى كتابه الذى	العواصم والقواصم میں یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے
سماه بالعواصم والقواصم ما معناه	کہ امام حسین اپنے نانا کی شریعت کے مطابق
ان الحسين قتل بشرع جده وهو	قتل کیے گئے غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے

غلط حملته عليه الغفلة عن اشتراط الامام العامل ومن اعدل من الحسين فی زمانه فی امامة وعدالة فی قتال اهل الآراء - (مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۱)

امام کے خلاف کھڑے ہونے والے کے لیے قتل کی جو سزا تجویز کی ہے وہاں شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو۔ قاضی صاحب نے امام عادل کی اس شرط کو نظر انداز کر دیا ہے حسین کے زمانہ میں ملت کی امامت و سرداری کے لیے امام حسین سے زیادہ عادل و کامل کون ہو سکتا ہے۔

یہ وہی قاضی ابوبکر بن عربی اور ان کی کتاب العواصم والقواصم ہے۔ عباسی صاحب نے جس کا حوالہ اپنی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے خود ان کے معتمد مؤرخ علامہ ابن خلدون نے قاضی صاحب کے استدلال کی دھجیاں اڑا دیں۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود بھی عباسی صاحب نے قاضی صاحب کے قول پہ اعتماد کیا ہے لیکن اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس طرح کی خیانت و تحریف اور نقائص و انتقام سے پوری کتاب لبریز ہے۔

یہیں سے عباسی صاحب کی پیش کردہ ان تمام حدیثوں کا صحیح محل بھی متعین ہو گیا جو امام المسلمین کے خلاف خروج و اقدام سے متعلق وعید عذاب پہ مشتمل ہیں یعنی وہ تمام حدیثیں ان لوگوں کے حق میں ہیں جو امام عادل کے خلاف خروج کریں۔ یزید جیسے سلطان جائر کو ان حدیثوں کے دامن میں پناہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اب ذرا تاریخ کے آئینہ میں یزید کی سیرت و کردار اور اس کے جور و ظلم کی داستان ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا ملتِ اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہو سکتی ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

وقد روی ان یزید کان قد اشتهر بالمعازف وشرب الخمر والغناء والصید واتخاذ الغلمان والقیان والکلاب والنطاح بین الکباش والدباب والقرود وما من یوما

نقل و درایت سے ثابت ہے کہ یزید سرود و نغمہ ساز و راگ، شراب نوشی اور سیر و شکار کے اندر اپنے زمانے میں مشہور تھا۔ نوعمر لڑکوں، گانے والی دوشیزاؤں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا۔ سینگ والے لڑاکا مینڈھوں، سانڈھوں اور

الا يصبح فيه مخمورا و	بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا
كان يشد القرد على فرس مسرجة	ہر دن صبح کے وقت نشہ میں مخمور رہتا تھا۔ زین
بحبال ويسوق ويلبس القرد فلانس	کستے ہوئے گھوڑوں پر بندروں کو رسی سے باندھ
الذهب وكذلك الغلمان وكان	دیتا تھا اور پھراتا تھا۔ بندروں اور نوعمر لڑکوں
يسابق بين الخيل وكان اذا مات	کو سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ گھوڑوں کے
القرد حزن عليه ۔	درمیان دوڑ کا مقابلہ کراتا تھا جب کوئی بندر
(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۶ ج ۸)	مرجاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔

ملاحظہ فرمایئے اسی کرتوت پر عباسی صاحب آج تیرہ سو برس کے بعد واویلا مچاتے ہیں کہ امام حسین نے یزید کو ملت اسلامیہ کا امیر و خلیفہ کیوں نہیں تسلیم کیا۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۴۹ پر یزید کے خصائل محمودہ شمار کرانے کیلئے البدایہ کی جو نامکمل عبارت نقل کی ہے وہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہوگئی اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات	اور اس کے اندر شہوات نفس کی طرف میلان
وترك بعض الصلوة واماتتها في	اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات میں
غالب الاوقات ۔ (البدایہ ص ۲۳ ج ۸)	انہیں نذر غفلت کر دینے کی عادت تھی۔

امام حسین کا صحیح موقف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اصطلاحی امام المسلمین کی اہلیت و استقلال کے سلسلے میں ایک اصولی بحث ذہن میں محفوظ کر لیجئے۔ علامہ ابن حزم اپنی مستند کتاب المحلی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وصفة الامام ان يكون مجتنبا للكبائر	امام کی شان یہ ہے کہ وہ کبائر سے اجتناب
ومستترا بالصغائر عالما بما يخصه	کرے اور صغائر کا اظہار نہ کرے حسن سیاست
حسن السياسة لان هذا	تدبیر مملکت کی خصوصیات کو جانتا ہو کیونکہ
الذي كلف به ۔ (المحلی)	اسی بات کا وہ مکلف ہے۔

اسی کی چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

فان قام علی الامام القرشی من ھو خیر منه او مثله او دونه قوتلوا کلھم معه لما ذکرنا قبل الا یکون جائرا فان کان جائرا فقام علیه مثله او دونه قوتل معه القائم لانه منکر زائد فان قام علیه اعدل منه وجب القتال مع القائم لانه تغییر منکر۔ (المحلی ص ۳۶۲ ج ۹)	پس اگر قرشی امام کے خلاف ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جو اس سے بہتر ہو یا اس کے مثل ہو یا اس سے کم ہو تو چاہیئے کہ سب متحد ہو کر اس کے ساتھ قتال کریں بجز اس کے کہ وہ امام غیر عادل ہو پس اگر وہ امام غیر عادل ہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا شخص کھڑا ہوا جو اس کے مثل ہے یا اس سے کم ہے تو چاہیئے کہ سب متحد ہو کر اس کے ساتھ قتال کریں اور اگر اس کے مقابلہ میں ایسا شخص کھڑا ہوا جو

اس سے بہتر ہے تو چاہیئے کہ سب اس کھڑے ہونے والے کے ساتھ متحد ہو کر اس امام جائر کے خلاف قتال کریں کیونکہ یہ امر منکر کی تغییر ہے۔

یہی تغییر منکر ملت کی سب سے بڑی تطہیر ہے۔ قہر و جبر کا سلطان تیغ بے نیام لیے اس راہ میں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔ یہ راہ صرف مردان سرفروش و وفا داران اور جان سپار کی ہے یہاں کسی اور کا یارا نہیں؟ اسی حقیقت کی جانب سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشہور حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر۔ (صحاح ستہ)	سب سے بہتر جہاد وہ کلمۂ حق ہے جو کسی جائر و غیر عادل بادشاہ کے سامنے برملا کہا جائے۔

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں :۔

من رای منکم منکرا فلیغیر بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان۔ (ترمذی)	تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اسکی قدرت نہیں ہے تو زبان سے مذمت کرے اور اگر اسکی بھی استطاعت نہیں ہے تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف درجہ ہے۔

جس کے گھر سے ملت کا چشمہ پھوٹا ملت سیراب ہوئی، تطہیر ملت کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی۔ وقت نے انہیں نہایت درد و کرب کے ساتھ پکارا اور انہوں نے نہایت خندہ

پیشانی کے ساتھ جواب دیا اور زمین و آسمان کی کائنات شاہد ہے کہ بلا ریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے۔ عباسی کے معتمد مورخ ابن خلدون کی صراحت گزر چکی ہے " ومن اعدل من الحسین فی زمانه فی امامته " ملت کی امامت و قیادت کے لیے امام حسین کے زمانے میں امام حسین سے زیادہ عادل و کامل اور کون ہو سکتا تھا۔

غور سے سنیے اعتراف کے ان کلمات میں صداقت کی روح بے محابا بول رہی ہے یزیدی عہد حکومت کے منکرات کی تغیر اور ملت کی تطہیر ہی امام عالی مقام کا بنیادی نصب العین اور یزید کے خلاف اقدام کا اصل محرک تھا۔ کربلا کے پورے سفرنامے میں یہ حقیقت جگہ جگہ نمایاں ہے۔

چنانچہ حر تمیمی کی حراست میں طریق عذاب و قادسیہ سے کربلا کی طرف پلٹتے وقت امام نے جو تاریخی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اقدام و نصب العین کا پس منظر سمجھنے کے لیے خطبہ کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پڑھیے اور ذہن کو گذشتہ مباحث کے ساتھ مستحضر رکھیے۔

ایها الناس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من رآی سلطانا جائر مستحلا لحرام الله ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیه بفعل ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله الا وان هولاء قد لزموا طاعة الشیطان وتذکوا طاعة الرحمٰن و أظهروا الفساد وعطلوا الحدود و استاثروا بالفئ واحلوا حرام الله وحرموا	اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی سلطان جابر کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرا لیا ہے عہد الٰہی کو توڑ رہا ہے سنت رسول اللہ کی مخالفت کر رہا ہے اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہے پس یہ سب کچھ دیکھتے جانتے بھی اپنے قول و عمل سے اس شر کو مٹا کر اپنا فرض نہیں ادا کرتا تو خدا کا تقاضائے عدل ہے کہ اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے غور سے سنو کہ ان یزیدیوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ رکھا

احلاله وانا احق من غیر۔ (کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۴۸)

ہے ان لوگوں نے ہر طرف فساد برپا کر رکھا ہے اور شریعت کی تعزیرات کو معطل کر دیا اور سرکاری مال کو ذاتی مفاد پہ خرچ کیا۔ خدا کے حرام کو حلال کیا اور حلال کو حرام کر دیا اور ان یزیدیوں کے شر کے مٹانے والوں میں میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔

ذرا "انا احق من غیر" کا زور بیان ملاحظہ فرمایئے۔ گزشتہ اوراق میں امام المسلمین کی اہلیت و استقلال سے متعلق علامہ ابن حزم کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اب ذرا اس کی اسپرٹ میں خطبے کے الفاظ پہ غور کیجئے کہ کیا اب بھی امام کے اقدام کو غلط کہا جا سکتا ہے اور کیا اب بھی انہیں اصلاحی باغی ٹھہرانے کے لیے علم و تحقیق کا کوئی ہلکا سا سہارا بھی مل سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص حدود روایت و نقل سے آزاد ہو کر اپنے دل کا عقیدہ ہی یہ بنا لے۔ نرم سے نرم لب و لہجہ میں اس طرح کے تخیل کو شقاوت و بدبختی کی پسندیدہ عبارت تو کہہ سکتے ہیں لیکن علم و تحقیق کا مفاد ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

بحث کے اختتام پہ بے ساختہ ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا ازالہ بہت ضروری ہے کہ آخر ہم اپنے تئیں ان صحابہ کرام سے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں جنہوں نے یزید کے خلاف تغیر منکر کی مہم میں عملاً امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ تو اس امر کا فیصلہ خود عباسی کے معتمد مورخ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :۔

واما غیر الحسین من الصحابة الذین کانوا بالحجاز ومع یزید بالشام والعراق ومن التابعین لهم فرأوا ان الخروج علی یزید وان کان الهرج والدماء فاقصروا علی ذلک ولو یتابعوا الحسین ولا انکروا علیه ولا

اور لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین جو حجاز و شام و عراق میں تھے ان کی رائے یہ تھی کہ یزید اگرچہ فاسق و اہل ہے لیکن قتل و خونریزی کے باعث اس کے خلاف کسی طرح کا اقدام صحیح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عملاً انہوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا۔ امام حسین کے اقدام کے حق ہونے سے انہوں نے

اثموه لانه مجتهد وهو اسوة المجتهدين ولا يذهب بك لغلط ان تقول بتاثيم هؤلاء بمخالفة الحسين وقعودهم عن نصره ——— انه عن اجتهاد منهم۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۱)

انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے امام حسین کو خطا کار و گنہگار ٹھہرایا کیونکہ وہ مجتہد ہیں اور مجتہد کی یہی شان ہے اس غلطی سے ہمیشہ بچنا کہ امام حسین کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صحابہ کو گنہگار کہو ——— کیونکہ یہ بھی ان کا ایک اجتہاد تھا۔

اس عبارت میں تین اشارات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

اوّلاً - یہ کہ تطہیرِ ملت کی اس عظیم الشان مہم میں بعض صحابہ کرام کی عدم شرکت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ یزید کی امارت سے مطمئن تھے بلکہ ان کی مصلحت یہ تھی کہ عزل امیر کے لیے جن وسائل غلبہ و طاقت کی ضرورت تھی وہ اس وقت میسّر نہیں تھے۔ بے سروسامانی کی حالت میں اس طرح کے اقدام سے سوائے اس کے کہ قتال و خوں ریزی ہو اور کوئی نتیجہ ان کی نگاہ میں متوقع نہیں تھا۔

ثانیاً :- یہ کہ اگرچہ بعض صحابہ اس راہ میں عملاً امام حسین کی رفاقت سے دست کش رہے لیکن کبھی بھی انہوں نے امام حسین کو غلط کار و گنہگار نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے اقدام پر کسی طرح کا انکار کیا۔

ثالثاً :- یہ کہ صحابہ کرام اور امام حسین سب کے سب مجتہد تھے۔ صحابہ کی نگاہ اسباب ظاہری کے فقدان اور مصلحت کے تقاضوں پر تھی وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے اور امام حسین کا نظریہ یہ تھا کہ تغییر منکر کی مہم میں ہمارا فرض کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔ باطل و منکر کے خلاف قدم اٹھا دینا ہی ادائیگی فرض کے لیے بہت کافی ہے۔ نتائج کا کفیل خدائے قدیر ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم صحیح کو صحیح کہہ دیں اور غلط کو غلط تاکہ خوب و ناخوب کا امتیاز مٹنے نہ پائے۔

غرض دونوں کی نگاہ دین کی مصلحت اور شریعت کے مفاد پر تھی۔ دونوں یزید کی نااہلیت پر متفق تھے، اختلاف صرف وقت کے تعین میں ہے اور چونکہ دونوں درجۂ اجتہاد پر تھے اس لیے ان میں سے ہر ایک کی فکر اپنے فیصلہ میں آزاد تھی۔ ضابطہ کے طور پر کوئی کسی کو اپنی رائے کا تابع نہیں بنا سکتا تھا۔

وما علینا الا البلاغ (ارشد القادری)

خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

عقائد کی روشنی میں

پچھلے دنوں یکے بعد دیگرے دو نا بکار کتابیں شائع ہوئیں "معاویہ ویزید" اور "اُموی دَورِ خلافت" ——— اس کے جواب میں سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے خدا سے ہدایت کی دعا کی جائے۔ اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا جائے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کے ساتھ ساتھ یہ رو سیاہ کتاب بھی قانوناً ممنوع قرار دی جائے۔

محمود احمد عباسی کی ہمت پیرانہ کی (بقول ان کے سعادت مند بھتیجے کے) واقعی داد نہیں دی جاسکتی کہ انہوں نے کس چابک دستی سے اتحاد بین المسلمین کی جد و جہد کی ہے اور بزعم خویش عام مؤرخین اسلام کے غلو و تعصّب کا پردہ چاک کرنے کی کامیاب کوشش میں خود تقدیس اسلام کی پاک چادر پارہ پارہ کرنی چاہی ہے اور حمایت یزید کے جوش میں خلافت امویہ کا وہ تاریک پس منظر تصنیف فرمایا ہے جس میں حضور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو بالکل مجروح کر ڈالا۔

چنانچہ آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب اور ابن تیمیہ کی عبارتوں کے ساتھ کچھ اپنی باتیں ملا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی۔ ان کی خلافت تو معاذ اللہ سبائیوں کی ساختہ و پرداختہ تھی ان کی بیعت پر تو اہل حل و عقد جمع بھی نہ ہوئے۔

خلافت و امامت بالخصوص مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ خلافت

اسلام کی ابتدائی صدیوں سے اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایک طے شدہ عقیدہ بنا ہوا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولائے کائنات کی خلافت کی دو حیثیتیں ہیں۔ تاریخی اور کلامی۔

یعنی ایک تو اس کی تاریخی حیثیت کہ اس کے بارے میں تاریخی روائتیں کیا ہیں طبری میں کیا ہے، ابن اثیر نے کیا لکھا ہے مسعودی کی روایتوں میں کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے عقیدے کی، یعنی مولا علی کی خلافت کے بارے میں تمام اہل سنت وجماعت کا ایک متفقہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر بالفرض دنیا سے تاریخ کی تمام کتابیں ناپید بھی ہوجائیں اور ہمارے پاس خلافت شیر خدا کے بارے میں علم کا دوسرا کوئی ذریعہ نہ رہ جائے تو صرف عقائد وکلام کی ہی کتابوں سے ہمارا یہ یقین مستحکم عقیدہ رہے گا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق ہے کیونکہ آئمہ اہل سنت میں اس بارے میں دو رائیں ہیں ہی نہیں اور عقائد کی ساری کتابیں اس باب میں متفق اللسان ہیں اپنے اس مضمون میں ہم صرف اسی حیثیت سے نصوص پیش کریں گے کہ خلافت حضرت علی کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ کیا ہے اور عباسی صاحب اس سے پھر کر مسلمانوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ آئندہ اگر وقت نے ساتھ دیا تو اس کی تاریخی حیثیت سے بھی بحث کی جائے گی پھر ایک مستقل مضمون میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش ہوگی کہ ازالۃ الخفاء ومنہاج السنہ کی جو عبارتیں عباسی صاحب نے نقل کی ہیں ان میں کچھ تبدیلی ہے، فہم مطالب میں کوتاہی ہوگی اور وہ عبارتیں قابل استناد بھی ہیں یا نہیں۔

خلافت کن کن طریقوں سے ثابت ہوتی ہے

المقصد الثالث فیما تثبت الامامۃ انما تثبت بالنص من الرسول و من الامام السابق و بیعۃ اھل الحل والعقد عند اھل السنۃ والجماعۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امام سابق کی نص اور بیان کر دینے سے کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہوگا امامت ثابت ہوجاتی ہے اور اہل حل وعقد کی بیعت سے۔

(شرح مواقف صـ ۳۲)

الامامة تنعقد من وجهين احدهما باختيار اهل الحل والعقد والثانی بعهد الامام من قبل۔

(الاحکام السلطانیہ للماوردی ص۴)

متوفی سنہ ۴۵۰ھ

امامت منعقد کے دو طریقے ہیں۔ اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا اور گذشتہ امام کی وصیّت کا موجود ہونا۔

وتنعقد الخلافة بوجوه بيعة اهل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وامراء الاجناد ممن له رأی ونصيحة للمسلمين كما انعقدت خلافة ابی بكر رضی الله تعالیٰ عنه وبان يوصی لخليفة الناس به كما انعقدت خليفة عمر رضی الله تعالیٰ عنه او بجعل شوریٰ بين قوم كما كان عند انعقاد خلافة عثمان بل علی رضی الله عنهما او استيلاء رجل جامع للشروط علی الناس۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص۱۱۱)

(شاہ ولی اللہ دہلوی)

خلافت چند طریقوں سے قائم ہوتی ہے۔ اہل حل وعقد علماء، روساء، امرا اور سرداران فوج میں جو لوگ صائب رائے اور مسلمانوں کے خیرخواہ ہوں۔ ان کی بیعت جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی اور اس طرح کہ خلیفہ لوگوں کو کسی کے بارے میں وصیّت کر جائے جیسے حضرت عمر کی خلافت یا کسی قوم میں مجلس شوریٰ کے ذریعہ طے ہو۔ جیسے حضرت عثمان بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت یا کوئی ایسا آدمی جو خلافت کی شرائط پہ پورا اترتا ہو خود بخود لوگوں پہ غالب آجائے۔

مذکورہ بالا کتابوں میں اول الذکر خالص عقائد کی کتاب ہے اور بقیہ دونوں کتابیں مسائل شرعیہ اور سیاست، دونوں کی جامع۔ شاہ صاحب نے انعقاد خلافت کی صرف ایک شق استیلا کا اضافہ کیا ہے ورنہ انہیں دو وجہوں کو پھیلا کر بیان کر دیا ہے۔ مثلاً علامہ ماوردی اور صاحب شرح مواقف نے جس چیز کو بیعۃ اہل الحل والعقد سے بجھ لیا تھا اسی کو شاہ صاحب دو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ بیعۃ اہل حل وعقد اور شوریٰ قوم، خلاصہ یہ کہ نصب امام کے دو بنیادی طریقے ہیں۔

رسول یا امام سابق کی کسی شخص کے بارے میں نص یا اہل حل وعقد کا اجماع اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت وخلافت کا ثبوت ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریق پر ہے یا نہیں۔ اس کے لیے ہم بلا تبصرہ مختلف عقائد و کلام نیز آئمہ اعلام کی کتابوں سے تصریحات نقل کرتے ہیں۔

حضرت علی کی خلافت پر اہل حل وعقد کا اجماع

ولما استشهد اتفق الناس على بيعة على رضى الله تعالىٰ عنه۔

(شرح مواقف صلاہ)

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر مجتمع ہو گئے۔

افضل البشر بعد نبينا الصديق ثم الفاروق ثم عثمان ثم على المرتضىٰ وخلافتهم على هذا الترتيب۔

(عقائد نسفی)

تمام لوگوں میں انبیاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر فاروق اس کے بعد حضرت عثمان غنی تب حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ ہے اور خلافت بھی اسی ترتیب پر ہے۔

ثم استشهد وترك الامر مهملا فاجمع كبار المهاجرين والانصار على على والتمسوا منه قبول الخلافة وبايعوه لما كان افضل اهل عصره واولىٰهم بالخلافة وما وقع من المخالفات والمحاربات لم يكن من نزاع خلافة بل عن خطاء فى الاجتهاد۔

(شرح عقائد ص۱۰۹)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور خلافت کے بارے میں انہوں نے کوئی تصریح نہ فرمائی تو کبار مہاجرین و انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گذارش کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ اپنے زمانہ میں وہ سب سے افضل اور خلافت کے اہل تھے اور ان لوگوں میں باہم جو جنگیں اور مخالفتیں ہوئیں وہ خلافت کے بارے میں نہ تھیں۔ وہ تو اجتہادی غلطی تھی۔

واما خلافة على رضى الله عنه فكانت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے

من اتفاق الجماعة و اجماع
الصحابة المار وی عبد الله بن تبة
عن محمد بن حنفیه قال کنت
مع علی بن ابی طالب رضی الله
عنه وعثمان بن عفان محصور
فاتاه رجل فقال ان امیر المؤمنین
مقتول الساعة قال فقام علی
رضی الله عنه فاخذت بوسطه تخوفا علیه
فقال خل لا ام لک قال فاتی علی
الدار وقد قتل عثمان رضی الله عنه
فاتی داره ودخلها فاغلق بابه فاتاه
الناس فضربوا علیه الباب فدخلوا
علیه فقالوا ان عثمان قد قتل ولا بد
للناس من خلیفة ولا نعلم احدا
احق بها منک فقال علی لا تریدوا نی
فانی لکم وزیر خیر من امیر قالوا والله
لا نعلم احداً احق بها منک قال
رضی الله عنه فان بیعتی لا تکون
سراً ولکن اخرج الی المسجد فبایعه
الناس فکان اماماً حقاً الی ان
قتل خلاف ما قالت الخوارج انه
لم یکن اماماً قط تبالهم۔

(غنیة الطالبین جلد اول ص[illegible])

اجماع سے ثابت ہے عبداللہ بن تبہ نے محمد بن
حنفیہ سے روایت کی کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے ساتھ بیٹھا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
محصور تھے ایک آدمی نے آکر کہا حضور عثمان غنی
رضی اللہ عنہ ابھی ابھی شہید کر دیئے گئے۔
حضرت علی نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو
میں نے ان کی کمر تھام لی کہ لوگ کہیں ان کو بھی
تکلیف نہ پہنچائیں آپ نے فرمایا تیری ماں نہ
رہے مجھے چھوڑ دو پھر اٹھ کر مقتل حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور پھر اپنے گھر
جاکر دروازہ بند کر لیا۔ لوگ آئے اور کہا حضرت
عثمان شہید کر دیئے گئے اور خلیفہ کا ہونا ضروری
ہے اور آپ سے زیادہ اس کا کوئی اہل نہیں اس
لیے آپ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایئے آپ نے
کہا میں تمہارے بہ نسبت امیر کے وزیر اچھا رہونگا
اس لیے مجھے معذور رکھو جب لوگ کسی طرح راضی
نہ ہوئے تو آپ نے فرمایا میری بیعت علی الاعلان
ہو گی پس آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں
نے آپ کی بیعت کی اس لیے آپ برحق ہوئے
اور وقت شہادت تک امام برحق رہے۔ خوارج
(ان کے لیے بربادی ہو) یہ کہتے ہیں کہ آپ
کبھی خلیفہ تھے ہی نہیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں اگر یہ دیکھا جائے کہ اس روایت کی تاریخی حیثیت اتنی مضبوط ہے کہ خود حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پہ اتنا اعتماد کہ یہ روایت اپنی کتاب میں تخریج فرمائی اور اسی بنیاد پر مولا علی کی خلافت کے برحق ہونے کا فیصلہ فرمایا اس سے قطع نظر ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کان اماما حقا فرمایا۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان علیا رضی اللہ عنہ کان علی الحق فی قتالھم لانہ یعتقد صحۃ امامتہ علی ما بینا اتفق اھل الحل والعقد من الصحابۃ علی امامتہ وخلافتہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مقابل سے قتال میں حق پر تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت علی کی خلافت کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ صحابہ میں اہل حل وعقد آپ کی خلافت کے متفق ہے۔

(صفحہ)

فالنبوۃ انقضت بوفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلافۃ التی لا سیف فیہ المقتل عثمان والخلافۃ بشہادۃ علی رضی اللہ عنہ وخلع الحسن۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۲۱۳)

نبوّۃ حضورؐ کے وصال سے ختم ہوگئی اور وہ خلافت جس میں تلوار نہ چلی شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور خلافت کا خاتمہ حضرت علی کی شہادت اور امام حسن کے خلافت چھوڑ دینے سے ہوا۔

قابلِ غور یہ امر ہے کہ اگر عباسی صاحب کا بیان صحیح ہے کہ ازالۃ الخفاء میں شاہ صاحب نے یہ فرمایا کہ خلافت حضرت علی کے لیے قائم نہ ہوئی تو حجۃ اللہ البالغہ میں جگہ جگہ ان کی خلافت کا اثبات کس طرح فرما رہے ہیں ؏

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست!

واما فی زمن علی رضی اللہ عنہ ومن نازعہ فقد قطع المشرع صلی اللہ علیہ وسلم طول کم الخلافۃ بقولہ

حضرت علی اور ان کے مخالفین کے زمانہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر خلافت کی امید دوسرے لوگوں کیلئے منقطع کر دی کہ

عليه السلام اذ بويع للخليفتين فاقتلوا الآخر منهما والعجيب كل العجب من حق واحد كيف ينقسم ضربين والخلافة ليست بجسم ينقسم ولا بعرض يتفرق ولا بجوهر يحد فكيف يوهب و يباع فيه حديث هازم اول حكومة تجري في المعاد بين علي ومعاويه فيحكم الله لعلي بالحق والباقون تحت المشية وقول المشرع صلى الله عليه وسلم لعمار تقتلك فئة الباغيه فلا ينبغي للامام ان يكون باغيا والامامة لا تليق لشخصين كما لا تليق الربوبية للاثنين۔

(سر العالمين للغزالي ص۱۲)

جب دو خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر ڈالو اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ہی حق دو آدمیوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے خلافت نہ تو جسم ہے کہ بٹے نہ عرض کہ متفرق ہو نہ جوہر اس کی حد بندی ہو تو اسے کس طرح بیچا جائے گا اور کس طرح ہبہ کیا جائیگا اور اس باب میں ایک حدیث قاطع نزاع ہے سب سے پہلا فیصلہ جو قیامت کے دن ہوگا۔ حضرت علی ومعاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوگا۔ تو خدا حضرت علی کے حق میں فیصلہ کریگا اور بقیہ تحت مشیت الٰہی ہوں گے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا تو امام باغی نہیں ہو سکتا پس امامت دو آدمیوں کیلئے نہیں ہو سکتی جس طرح ربوبیت دو کیلئے نہیں۔

اس عبارت میں کس وضاحت سے امام غزالی فرماتے ہیں بیعت اولی حضرت علی کی تھی اور وہی حق ہے اس کے بعد دوسرے کی بیعت کا امکان ہی ختم ہے جیسا کہ حکم رسول ہے۔ یونہی حدیث رسول ہے کہ حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا (باغی کے جو معنی بھی ہوں) پس جن لوگوں نے حضرت عمار کو قتل کیا امام حق ہوں گے۔

والذي يدل على امامة علي رضي الله عنه اتفاق اهل الحل والعقد على امامة۔ (اصول معالم الدين للرازي ص۱۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی حقانیت پر اہل حل وعقد کا اتفاق دلالت کرتا ہے۔

والخلاف العاشر في زمان علي رضي الله عنه

دسواں اختلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

بعد الاتفاق علیہ وعقد البیعۃ لہ فاولہ خروج طلحۃ والزبیر الی مکۃ ثم حمل عائشۃ الی البصرۃ ثم نصب القتال معہ ویعرف ذالک الحرب الجمل والحق انھما رجعا وتابا اذ ذکرھما امرا فتذکرا پھر چند سطر بعد وبقاء الخلافۃ الی وقت الوفاۃ مشہورۃ ۔

(ملل ونحل للشہرستانی جلد اول ص۲۶)

میں ان پر اتفاق کے بعد ہوا تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مکہ گئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا بصرہ پہنچے اور حضرت علی کے ساتھ جنگ کی جس کو جنگِ جمل کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات نے رجوع کیا ان لوگوں کو بات یاد دلائی گئی تو نصیحت قبول کر لی اور مولا کی خلافت ان کی وفات کے وقت تک رہے یہ ایک امر مشہور ہے ۔

پس ان تصریحات کی روشنی میں ایک لحظہ کے لیے بھی یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ بھی کیا جا سکتا ہے ؟ ان کا تعلق مذہب حق اہل سنت و جماعت سے بھی ہو سکتا ہے ؟ ہاں اس سوادِ اعظم کا تیرہ صد سالہ عقیدہ تباہ کر دیا جائے اور پھر نئے سرے سے کوئی شریعت گھڑ لی جائے تو اور بات ہے ۔

خود بدلتے نہیں ایماں کو بدل دیتے ہیں
ہوتے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(مولانا عبد المنان اعظمی)

ایک رُسوائے عالم کتاب کا تحقیقی جائزہ

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ مولوی محمود احمد عباسی نظر سے گزری اوّل سے آخر تک پڑھا۔ اس کتاب کی بے حد تعریف و تائید روزنامہ "الجمعیۃ" "تجلّی"، دیوبند اور "نقیب" بہار میں دیکھ چکا تھا یہی تحریریں اس کی حقیقت کی طرف غمازی کر رہی تھیں پھر بھی انکشاف تام کے لیے اس کتاب کو پڑھنے کی ضرورت محسوس کی، اس کو پڑھ کر جس نتیجہ پہ پہنچا ہوں وہ یہ ہے -

عباسی صاحب کا مقصد یزید کو امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین متقی زاہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام امت سے اعلیٰ و افضل ثابت کرنا ہے اس کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو جھوٹا وعدہ خلاف نااہل لٹیرا امت میں تفرقہ ڈالنے والا ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کوئی آیت ان کے اس مقصد کے خلاف آگئی تو اسے توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ حدیث آگئی تو اسے درجہ اعتبار سے ساقط کر دیا۔ اخبار آگئے تو ٹھکرا دیا اور مؤرخین پر برس پڑے۔ نہ معلوم ابن خلدون پر کیوں رحم آیا۔ ہاں غیر مسلم مؤرخین پر البتہ اعتماد کیا ہے۔ ان کے اکابر علماء میں ایک ابن تیمیہ ضرور دکھائی پڑے جو سزا یافتہ تھے۔ یہ کتاب بڑی ہی دل آزار ہے۔ امت پر بہتان تراشی میں غالباً ایک عرصہ کے بعد ایسی کتاب لکھی گئی ہے۔ کاش اس مصنف نے اپنا اسلامی لقب ظاہر کر دیا ہوتا تو اتنا خلفشار نہ ہوتا۔ اس ظلم و بہتان و خیانت کا نام تحقیق العیاذ باللہ۔ تیرہ سو برس کے متفق علیہ مسئلہ تمام امت کے اجماع کو غلط قرار

دینا الحاد نہیں تو اور کیا ہے چار سو برس کے بعد جب تحقیق ناممکن ہو گئی تھی، آج تیرہ سو برس کے بعد کیسے واقع ہو گئی۔

آیت تطہیر میں ازواج مطہرات و اولاد نبی اور حضرت علیؓ سب ہی شامل ہیں۔ سلف سے آج تک یہی تفسیر بیان کی گئی، احادیث اسی کی شاہد ہیں مگر عباسی صاحب لکھتے ہیں ——

"یہی ازواج اہل بیت رسول اللہ کی اہل خانہ و اہلیہ ہیں ان ہی کی تطہیر میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۱۲۳)

حسین دشمنی میں تمام تفسیروں کو رد کر کے اپنا مزعومہ ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ متداول تفاسیر، تفسیر مدارک، تفسیر خازن، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر احمدی، تفسیر ابو السعود، کبیر، ابن کثیر، تفسیر بیضاوی اور حاشیہ بیضاوی میں ازواج مطہرات و حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اہل بیت فرمایا۔

اسی طرح حضرت امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سارے کلمہ گویان اسلام (خوارج کو چھوڑ کر) کے نزدیک خلافت حقہ راشدہ ہے اور وہ خود عشرہ مبشرہ میں ہیں جن کے فضائل و مناقب میں حدیث سیر کی کتابیں شاہد ہیں۔ آج تک جتنے مورخین ہوئے سب ہی امیر المومنین مانتے لکھتے پڑھتے آئے۔ مگر عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی۔"

یہی وجہ ہے کہ یزید کے نام پر سینکڑوں جگہ امیر المومنین لکھا مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ایک جگہ بھی امیر المومنین نہیں دکھائی دیا بلکہ شیر خدا کی شخصیت کو پست سے پست ظاہر کرنے کے لئے عباسی صاحب نے یہاں تک لکھا۔

"حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ماتم کرتے گئے اور حضرت سعد سے فرمایا اس کی بوڑھا ہے آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔"

یہ کتنا رکیک حملہ ہے، کیا رسول پاک کی صحبت میں بھی رہ کر نہیں بلکہ پوری تربیت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے پا کر بھی شیر خدا کا دل صاف نہ ہو سکا۔ روحانیت سے کچھ حصہ اسلام کی حقیقی روشنی نہ حاصل کر سکے کہ ایک صحابی رسول کو کلمہ حق سے روک کر طرفداری کی تلقین فرما رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ یہی عباسی صاحب کو دوسرے پہلو پہ دیکھئے فرماتے ہیں۔

"صحابہ رسول اللہ کی خدمتیں کرنے ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے جو صحابہ کرام دمشق و شام میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا۔ امیر یزید نے پورا استفادہ کیا تھا" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۸۹)

مطلب یہ ہوا کہ عجمیوں سے یزید نے فضل و کمال اور روحانیت حاصل کر لی اور خلیفۃ المسلمین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحبت سید المرسلین میں رہ کر بھی صداقت و دیانت نہ حاصل کر سکے۔ لعنت ہے دشمنان اہل بیت اور ان کے مویدین پہ یہ تاریخی حقیقت ہے یا بغض قلبی کا اظہار ہے۔ پھر عباسی لکھتے ہیں۔

"یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس و ہادی برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی اور نہ زبان مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کو کوئی ارشاد"

(خلافت معاویہ و یزید ص۹۹)

یہ ہے عباسی صاحب کی تحقیق کہ یزید کوریوں میراثیوں کی صحبت میں رہ کر علامہ متقی پرہیزگار بن گیا اور امام عالی مقام کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش محبت میں بیٹھ کر مہاجرین و انصار و صحابہ کرام عشرہ مبشرہ خلفائے راشدین کی ضیا بار محفلوں میں نیز باب مدینۃ العلم کی تربیت گاہ سے مسلسل پچیس برس تک فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد بھی کوئی حدیث یاد تھی نہ کوئی مسئلہ۔ حیرت ہوتی ہے ایسی باتیں کس منہ سے نکل رہی ہیں کلمہ کی تو لاج رکھی ہوتی۔ چند خارجیوں کی خوشنودی کے لئے رسول خدا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائی مول لی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلي وفاطمة والحسن والحسين انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم اخرجه الترمذي عن زيد بن ارقم رضي الله تعالى عنه

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں جو ان سے لڑیں گے ان سے میری جنگ ہے اور جو ان سے مصالحت کریگا اس کیلئے میری طرف سے سلامتی ہے۔

کیا جھوٹے لیٹرے اور باغی بھی جنت کے سردار ہوں گے۔ من گھڑت تاریخ سے حدیث کو رد کرنا کیا مومن کا کام ہے۔ اس مصنف کو غیرت نہ آئی کہ اہل بیت میں عیب ثابت کرنے کو بے سروپا تاریخوں کا حوالہ ڈھونڈ ڈھونڈ لاتے اور فضائل و مناقب میں صحاح کی حدیثوں کو مجروح بتا کر پس پشت ڈال دیا اور جہاں اپنے یزیدوں کا حال بیان کرنا ہوا وہاں حدیثیں بھی معتبر ہو گئیں اور وہ مورخ بھی مقبول ہو گئے چند صفحے پیشتر اہل بیت کی تعریف کی وجہ سے مردود تھے یہ قلبی خباثت نہیں کہلا سکتی ہے کوئی صحیح العقل انسان اس کو تحقیق نہیں کہہ سکتا عباسی صاحب رقم طراز ہیں

"علم و فضل تقویٰ و پرہیزگاری پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے" (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۹)

یہ شہادت انہیں ایک معتبر شیبانی سے ملی۔ شاید دل میں خلجان پیدا ہو کر مسلمانوں پر اس سے دھونس نہیں جما سکے تو حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی کہلوا دیا۔

"کتاب العواصم میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے امیر یزید کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد و امت کے اقوال نقل کئے ہیں"

(خلافت معاویہ و یزید)

حالانکہ میزان الاعتدال جو نقد رجال میں دنیا کی مانی ہوئی کتاب ہے اس میں یزید کا حال ان لفظوں میں لکھا ہے۔

مفدد م و عبدالله لیس باھل ای یروی عنه وقال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنه۔

حضرت امام احمد بن حنبل و دیگر آئمہ نے اس سے روایت کی اجازت نہیں دی جو صفتیں راوی میں ہونی پائیں وہ یزید میں نہیں تھیں۔

اس سلسلہ میں عباسی صاحب کے مانے ہوئے مؤرخ ابن خلدون سے یزید کے اوصاف پر شہادت پیش کرتا ہوں پڑھیے اور فیصلہ کیجئے۔

"یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی سفیان امیر یزید ہو کر آیا اور اسی زمانہ میں اہل مدینہ کا ایک وفد جس میں عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن ابی عمر بن حفص بن مغیرہ مخزومی و منذر ابن الزبیر وغیرہم شرفائے مدینہ تھے شام کو روانہ کیا یزید نے ان لوگوں کی بہت بڑی عزت کی۔ عبداللہ بن حنظلہ کو علاوہ خلعت کے ایک لاکھ درہم اور باقی لوگوں کو دس دس ہزار دے کر رخصت کیا۔ جب مدینہ میں عبداللہ بن حنظلہ واپس آئے تو اہل مدینہ ملنے کو حاضر ہوئے حال دریافت کیا۔ جواب دیا کہ ہم ایسے نا اہل کے پاس آئے ہیں جس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی مذہب، شراب پیتا ہے، راگ باجا سنتا ہے، واللہ اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا اس پر جہاد کرتا۔ حاضرین نے کہا، ہم نے تو سنا ہے کہ یزید نے تمہاری بہت بڑی عزت کی۔ خلعت اور جائزہ دیا عبداللہ بولے ہاں، اس نے ایسا ہی کیا ہے لیکن ہم نے اس وجہ سے اس کو قبول کر لیا ہے کہ اس کے مقابلہ کے لئے قوت پیدا کریں اہل مدینہ یہ سن کر اور متنفر ہو گئے" (ابن خلدون)

اس سے یزید کا تقویٰ و پرہیزگاری ظاہر ہوئی جب کچھ دنوں کے بعد حضرت منذر واپس تشریف لائے تو ان سے لوگوں نے یزید کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔

انه قد اجازنی مائة الف ولا یمنعنی ما صنع بی ان اخبرکم خبره والله انه یشرب الخمر والله انه یسکر

یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم دیا لیکن یہ عطیہ مجھے حق بات کہنے سے روک نہیں سکتا قسم خدا کی وہ شراب پیتا ہے اور قسم خدا کی وہ نشہ

حتیٰ یدع الصلوٰۃ۔ (ابن اثیر) میں ہوتا ہے یہانتک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔

اس روایت سے اس کی پابندی نماز اور پرہیزگاری معلوم ہوئی اب یزید کی سلیم النفسی سنیئے۔

"اہل مدینہ کو تین دن غور وفکر کرنے کی مہلت دینا اگر اس اثناء میں وہ اطاعت قبول کرلیں (یزید کو خلیفہ مان لیں) تو درگذر کرنا ورنہ جنگ کرنے میں تامل نہ کرنا اور جب ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو تین روز تک قتل عام کا حکم جاری رکھنا" (ابن خلدون)

ابن اثیر نے یزید کا حکم اس طرح بیان کیا۔

"تین دن تک مدینہ طیبہ کو فوجیوں کے لئے مباح کر دینا قتل لوٹ مار اور عصمت دری کے ان گنت واقعات ہوئے"

یہ ہے یزید ملعون کی کریم النفسی اور اس سے حلم زہد وتقویٰ سنجیدگی متانت سب ہی معلوم ہوگئی مدینہ طیبہ پر فوج کشی قتل وغارت کرنے والے کا حکم سنیئے۔

حضرت مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم سے روایت فرماتے ہیں۔

قال ان ابراھیم حرم مکۃ فجعلھا حراما وان حرمت المدینہ حراما ما بین مازمیھا وان لا یھراق فیھا دم ولا یحمل فیھا سلاح لقتال ولا تخبط فیھا شجرا لا لعلف۔	حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کی عظمت میں مکہ کو حرام کیا اور میں مدینہ کی عظمت میں مدینہ کو حرام کرتا ہوں جو دونوں طرفوں کے بیچ میں ہے نہ اس میں خون بہایا جائے اور نہ اس میں جنگ کے ہتھیار اٹھائے جائیں اور اسکے کانٹے بھی نہ کاٹے جائیں سوائے چارے کے۔

جہاں کانٹا کاٹنا ممنوع ہو وہاں یزید نے کیسی کیسی ہستیوں کو شہید کیا پھر بھی اس کے تقدس میں فرق نہ آیا۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے آنکھیں بند

کرکے ابن تیمیہ اور نیساتی مؤرخ کی من گھڑت پرایمان لانا ہے دینی نہیں تو اور کیا ہے امام بخاری و مسلم کی اس روایت کا مصداق کون ہے؟

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یکید اھل المدینہ احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی مدینہ والوں سے مکر وفریب کرے گا وہ نمک کی طرح گھل گھل کر ہلاک ہوگا۔

کیا یہ پیشین گوئی یزید پر نہیں صادر آئی کہ تھوڑے ہی دنوں بعد دق وسل کی بیماری میں گھل گھل کر تباہ و ہلاک ہوا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیھا حدثا او اویٰ محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔	مدینہ طیبہ حرام ہے بمقدار غار سے ثور تک جس نے اس میں ممنوعات کا ارتکاب کیا یا اسکے مرتکب کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔

حدیث پر ایمان رکھنے والا کیا اب بھی لعنتی کے بجائے متقی اور پرہیزگار سمجھے گا یا متقی اور پرہیزگار کہنے والے کو بھی لعنتی کہے گا۔

متانت و سنجیدگی سنیئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو سدھارنے کے لئے ایک استاد رکھا تھا۔ ایک دفعہ وہ ان سے بھڑ گیا۔ اس واقعہ کو عباسی صاحب اس کی خوش بیانی اور حاضر جوابی کے تحت لکھتے ہیں۔

اخطأت یا غلام	یزید کے اتالیق نے کہا اے لڑکے تو نے ترا کیا
فقال یزید الجواد یعثر	یزید نے کہا اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
فقال مؤدب ای واللہ یضرب فیستقیم۔	اتالیق نے کہا ہاں، واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے۔
فقال یزید ای واللہ فیضرب انف سائسہ۔	یزید نے کہا ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔

حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ استاد نے یزید کی کسی شرارت پر کہا کہ تم نے غلطی کی تو یزید جواب میں کہتا ہے کہ غلطی کی تو کیا ہوا ہم اصیل ہیں اور اصیل ہی گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ استاد نے کہا وہ مار کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یزید بولا پھر مارنے والے کی ناک بھی توڑ ڈالتا ہے۔ یہ یزید کی بولی استاد کے مقابلہ میں "اگر سزا دی تو آپ کی ناک کی خیر نہیں یہ ہے عشق یزید کہ تمام برائیاں خوبی دکھائی دیتی ہیں۔

یزید کی بہترین خطابت کے ضمن میں ایک واقعہ زیاد کا جبکہ وہ عراق سے زر و جواہر لے کر آیا اور اپنے انتظام کی خوبی بیان کرنے لگا تو اپنے حقیقی چچا کے مقابلہ میں یزید نے جو بھری محفل میں تقریر کی لیے عباسی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"امیر یزید نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا، اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو تعلی کیوں ہے کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنہوں نے تم کو قبیلہ ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی و رشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملا دیا اور قلم گھس گھس و خدمت کاتب سے منبر پر حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن امیہ کے اخلاف میں شامل کیا تو پھر تم کیا دوان کے لینے ہو" (خلافت معاویہ و یزید)

یہ ہے سعادت مند فرزند جو چچا کے نسب و عمل پر کلام کر کے بھری محفل میں ذلیل کرے اور یہ ہے عباسی صاحب کی عقیدت یزید کے ساتھ کہ بدتمیزی کو بہترین واعظ کہیں پھر اسی پر ختم نہیں کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زبردستی اتنا کہلوا دیا۔

فقال معاویہ لہ اجلس فداک ابی و امی۔ — حضرت معاویہ نے یزید سے کہا اب بیٹھ جاؤ تم پر ہمارے ماں باپ قربان۔

واہ کیا خوب کہا ایک واقعہ اور نقل کر دوں۔ حضرت امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید جب جامع دمشق میں خطبہ پڑھنے آیا تو حضرت ضحاک صحابی نے اس خیال سے کہ یزید غم زدہ ہے کہیں رقت طاری ہو جائے اور خطبہ نہ پڑھ سکے تو میں پورا کر دوں گا قریب منبر آکے بیٹھ گئے مگر یزید کو کس کا غم وہ تو بہت دنوں سے اس کا آرزو مند تھا جیسا کہ اس خلافت معاویہ و یزید میں درج ہے، صحابی کو قریب منبر دیکھ کر بولا۔

یا ضحاک اجئت تعلم بنی عبد شمس الکلام۔ اے ضحاک کیا تم بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے بیٹھے ہو۔ (خلافت معاویہ و یزید)

یہ تین مثالیں میں نے اسی کتاب خلافت معاویہ و یزید کی لی ہیں جو خاص یزید کی فضیلت میں لکھی گئی ہیں، اس سے ہر مصنف اندازہ لگا سکتا ہے کہ جہاں اس کے واقعی حالات ہیں وہاں اس کے عیوب کا کتنا بڑا انبار ہوگا۔

اپنے یزید کی تقریر کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو اس سے متاثر تھے کہ یزید پر کسی ایک کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۹۵)

عباسی صاحب یزید کو صرف امام عالی مقام سے ہی افضل نہیں بتاتے بلکہ تمام خلفاء راشدین پر یزید کو فضیلت دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ اس کی تائید نقیب بہار و اجمعینہ تجلی دیوبند ہی سے کرا رہے ہیں بلکہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بھی سنوا رہے ہیں لکھتے ہیں۔

"امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک امیر المومنین یزید کی عظیم منزلت تھی" (خلافت معاویہ و یزید)

حالانکہ امام موصوف یزید سے دین کی بات تک کرنے کی اجازت نہیں دیتے جیسا پہلے معلوم ہوا۔

عباسی صاحب مقدمہ میں لکھتے ہیں جو تجلی دیوبند میں شائع ہوا۔

"اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المومنین یزید ہیں" (تجلی دیوبند)

آگے لکھتے ہیں ——— "پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے تو علی منہاج النبوت، لیکن امیر المومنین یزید کا تقرر صحابہ کرام کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار

دیا جائے" (تجلی دیوبند)

اب رگ یزیدیت پوری بھڑک اٹھی اور تعصب وحمایت یہاں تک کھینچ لایا کہ یزید کی حکومت کو اگر روا کہا تو پہلے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو ڈبل ناجائز کہئے کیوں نہ ہو یہ بھی کرامت ہے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ وہ غیظ المنافقین ہیں۔

جب صلاحیت خلافت یزید کے لئے منوانا چاہا تو یوں بنیاد رکھی۔

"عمال نبوی میں بھاری اکثریت اموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً ان کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی"

اور جب امام عالی مقام کی طرف متوجہ ہوئے تو جڑ ہی کھوکھلی کرنے چلے لکھتے ہیں۔

"کسی ہاشمی بزرگ کا نام اعمال نبوی کی فہرست میں شامل نہیں تھا حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاری نے تقرریہ کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر انتظامی امور کی عدم صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا" (خلافت معاویہ)

اور اس کے بعد ہی ایک عربی عبارت نقل کر دی گویا ہاشمیوں کی عدم صلاحیت کی دلیل ہے اگر تاریخ کا صحیح مطالعہ ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ کہاں کہاں ہاشمی حضرات امیر بنائے گئے۔ مگر وہاں تو مقصد صرف یہ ہے کہ یزید کی منقبت گڑھی جائے اور ہاشمیوں کی منقبت جہاں دکھائی پڑے فوراً دفن کر دی جائے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدرتی فضائل و کمالات کے ساتھ قدرتی نسبی فضائل آئی تو اس کے بیان کا اندازہ دیکھئے۔

"حضرت حسین کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی جس کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کے فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے" (خلافت معاویہ و یزید)

کیا یہ بھی تاریخی تحقیق ہے کہ حضرت امام حسین نے سوائے نواسہ اور فرزند ہونے کے کوئی دوسری خوبی تھی ہی نہیں اور جب یزید کی نااہلی سامنے آئی تو جوش حمایت میں یہ لولی لچے لکھتے ہیں اب دریافت طلب ہے کہ

الحمد للہ سے لے کر والناس تک اور موطا سے لے کر ابن ماجہ تک کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کرامت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ثابت کیا جاسکے۔" (تجلی مقدمہ خلافت معاویہ و یزید)

یہاں آپ کو کرامت و حرمت کا خیال آیا اور مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے، عصمت دری کرنے والے، کہ معظمہ پر دھاوا بولنے والے، غلاف کعبہ کو جلانے والے اور حرم میں مسلمانوں کو شہید کرنے والے کے لئے کوئی آیت و حدیث حرمت و کرامت کی نہیں ملی اگر ملی تو یہ کہ تمام تاریخیں غلط ہیں تو پھر جناب نے تیرہ سو برس کے بعد یہ تحقیق کہاں سے کی۔ جواب صرف یہ ہوگا اپنی عقل و عقیدت سے تو پھر نہ اسے تاریخ کہئے اور نہ تحقیق ایک خبیثت ہے جو کام کر رہی ہے بغض ہے جس کا اظہار ہو رہا ہے۔

(مولانا رفاقت حسین)

خلافت معاویہ ویزید
تحقیقی نظر میں

۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے حضرت عثمان کا قصاص کیوں نہیں لیا؟

۲۔ یزید فاسق و فاجر تھا یا زاہد و متدین؟ اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟

۳۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پہ تھے یا خطا پہ؟ وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں یا نہیں۔ بَیِّنُوْا تُوجروا۔

الجواب بعون الملک الوہاب

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا حذیفہ الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ "فتنوں کے متعلق کچھ بتاؤ" انہوں نے معمولی قسم کے چند فتنوں کا ذکر فرمایا۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پوچھا "یہ نہیں ان فتنوں کے متعلق بتاؤ جو سمندر کی موجوں کی طرح اُمنڈیں گے"

حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "دو نک باب مغلق۔ آپ میں اور ان میں دروازہ بند ہے"

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا "یُفْتَحُ اَمْ یُکْسَر۔ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا؟" حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ "توڑا

جائے گا" اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" اذا لایغلق الی یوم القیامۃ۔ اب قیامت تک فتنوں کا سدباب نہ ہوگا"

چنانچہ تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھو، حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد ابن سباء کی سازشوں سے جب فتنے اٹھنے شروع ہوئے تو تقریباً چودہ صدیاں گزرنے پر آئیں مگر فتنے بند نہ ہو سکے وہ ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا۔ حضرت علی، حضرت طلحہ و زبیر اور امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپس میں لڑا دیا۔ وہ ابن سبا ہی کی ذریت تھی جو نہروان میں حضرت علی سے خروج کر کے شیر خدا کی ذوالفقار کا شکار ہوئی۔ وہ ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے ریحانۂ رسول خانوادۂ بتول کو کربلا کے میدان میں تہہ تیغ کیا اور یہ بھی ابن سبا ہی کی کرشمہ سازیوں کا اثر ہے کہ آج بھی سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے نور دیدہ لخت جگر فاطمہ ریحانۂ رسول سید الشہداء شہید کربلا کے خلاف اپنا زور قلم دکھانے کی جرأت کی جا رہی ہے "خلافت معاویہ و یزید" کوئی نئی بات نہیں۔ اسی نہروان خارجیت کے مہلک جراثیم سے پھر دنیائے اسلام کے امن و امان کو برباد کرنے کی ایک شرمناک جدوجہد ہے۔ امروہوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا حسین شہید کربلا پر نکتہ چینی کی ہے اس کے جواب میں رافضی کو جرأت ہوگی وہ دیگر صحابۂ کرام خصوصاً حضرت امیر معاویہ عمرو بن عاص اور حضرات شیخین پر تبرا کرے گا۔ انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون۔

امروہوی صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خلافت مکمل نہیں۔ اس کی دلیل میں تین چیزیں پیش کی ہیں۔

"ایک یہ کہ یہ خلافت ابن سبائیوں کی تائید و اصرار اور ان کے اثر سے قائم کر دی گئی تھی۔ اس خلافت نے باوجود قدرت کے حضرت عثمانؓ کا قصاص نہیں لیا۔ اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا۔"

صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں۔

"یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور یہ خلافت

ہی حضرت عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلان عثمان سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اس لئے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔ ملخصاً۔

پہلی بات ۔ آپ کا یہ کہنا اگر بجا ہے کہ یہ خلافت سبائیوں کے اثر سے قائم کی گئی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں ان تمام لوگوں کا ہاتھ تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم کرنے والے ہیں اور ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اپنی خلافت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کی لہذا وہ بھی اس خون ناحق میں شریک ہیں۔ اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کس نے قائم کی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ اکابر صحابہ نے حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی یا نہیں۔ علامہ ابن حجر مکی "صواعق محرقہ" میں فرماتے ہیں۔

علم مما مر ان الحقيق بالخلافة بعد الائمة الثلاثة هو الامام المرتضى والولي المجتبى علي ابن ابي طالب باتفاق اهل الحل والعقد عليه كطلحة والزبير وابي موسى وابن عباس وخزيمة بن ثابت وابي الهيثم بن التيهان ومحمد بن سلمة وعمار بن ياسر وفي شرح المقاصد عن بعض المتكلمين ان الاجماع انعقد على ذالك ووجه انعقاده في زمن الشورى على انها له ولعثمان وهذا اجماع على

گزشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اہل حل و عقد کے اجماع سے خلفائے ثلاثہ کے بعد خلافت کے مستحق امام مرتضیٰ ولی مرتضیٰ حضرت علی ابن ابی طالب تھے یہ اہل حل و عقد حضرات طلحہ و زبیر و ابوموسیٰ و ابن عباس و خزیمہ بن ثابت و ابی الہیثم بن تیہان و محمد بن سلمہ و عمار بن یاسر ہیں۔ شرح مقاصد میں بعض متکلمین سے ہے کہ خلافت مرتضیٰ پہ اجماع ہے اس طرح کہ حضرت عمر کی شوریٰ کمیٹی میں باتفاق طے ہوا تھا کہ خلافت حضرت علی یا حضرت عثمان کے لئے

انہ لولا عثمان دکانت لعلی فحین خرج عثمان بقتلہ من ا بقیت لعلی اجماعًا۔ رمنلہ	ہے اس سے ثابت ہوا کہ جب حضرت عثمانؓ نہ ہوں تو خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے جبکہ عثمانؓ نہ رہے تو حضرت علیؓ اُسکے مستحق اجماعًا رہے۔

امام جلیل اجل خاتم الحفاظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں ابن سعدؒ سے ناقل ہیں۔

بویع علی بالخلافہ بعد الغد من قتل عثمان بالمدینہ فبایعہ جمیع من کان بہا من الصحابۃ۔ (تاریخ الخلفاء)	حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دوسرے دن مدینہ طیبہ میں حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہوئی مدینہ میں جتنے بھی صحابہ تھے سب نے بیعت کی۔

لیکن امروہوی صاحب کہیں گے کہ تاریخ الخلفاء کا کیا اعتبار یہ تو تاریخ کی ادنیٰ کتاب ہے۔ شاید ان کے نزدیک کتاب کی عظمت کا دارومدار کتاب کے حجم پر ہے۔ لیکن یہ منطق انہیں کو مبارک ہو۔ کتاب کا ادنیٰ اعلیٰ ہونا حجم پر نہیں بلکہ مصنف کی جلالت علمی پر ہے۔ امام اجل جلیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا علماء میں جو مرتبہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ان کی کتاب تاریخ الخلفاء اگرچہ بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مستند ہے۔ اگر کتاب کی حیثیت کا دارومدار حجم پر ہو تو وہ دن دور نہیں کہ آپ کہیں کہ قرآن کریم کا حجم بہت چھوٹا ہے لہٰذا یہ ادنیٰ ہے اور ہماری مبسوط کتاب کا حجم بڑا ہے لہٰذا یہ اعلیٰ ہے پھر کوئی آریہ آپ سے سیکھ کر یہ کہہ دے کہ چونکہ ویدوں کا حجم قرآن سے بڑا ہوا ہے لہٰذا وہ قرآن سے اعلیٰ ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ آئیے دیکھئے یہ امام ابوجعفر طبری اپنی کتاب الریاض النضرہ میں فرماتے ہیں۔

وخرج علی فاتی منزلہ رجاء الناس کلہم الی علی لیبایعوہ فقال لہم لیس ھذا الیکم انما ھو الی اھل بدر فمن رضی بہ اھل بدر فھو الخلیفہ	حضرت علیؓ وہاں سے اپنے گھر آئے سب لوگ حضرت علی کے پاس آئے کہ ان سے بیعت لیں حضرت علی نے فرمایا یہ تمہارا حق نہیں اہل بدر جسے پسند کریں وہ خلیفہ ہے پھر تمام

فلم یبق احد من اهل بدر الا قال ما تری احق لها منك فلما رأی علی ذلك جاء المسجد فصعد المنبر وكان اول من صعد الیه وبایعه طلحة والزبیر وسعد واصحاب محمد صلی الله تعالی علیه وسلم۔ ص۱۲۶

اہل بدر نے کہا کہ اے علی آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہیں۔ اب حضرت علی مسجد میں آئے منبر پر چڑھے سب سے پہلے حضرت طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر صحابہ نے بیعت کی۔ (ص۱۲۶ جلد ۲)

ان تمام جلیل القدر محدثین و علماء راسخین کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ حضرت علیؓ کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اصحاب بدر و دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جن میں حضرت طلحہ و زبیر بھی شامل ہیں۔ اس کے برخلاف امروہوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خلافت سبائیوں قاتلان عثمان کے اثر سے قائم ہوئی۔ یہ تو کہنا خلاف تہذیب ہوگا کہ امروہوی صاحب نے غلط لکھا لہٰذا مہذب رہنے کے لئے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امروہوی صاحب کے نزدیک اہل بدر اور وہ اصحاب رسول اللہ جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا سبائی، باغی اور قاتل حسین ہیں۔ امروہوی صاحب کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں ہوگی بنی امیہ کی محبت میں سب کچھ گوارہ ہے۔ ع

ہر ستم ہر جفا گوارہ ہے ۔۔۔ حرف کہدے کہ تو ہمارا ہے

حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں بات بالکل صاف ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس معاملہ میں کبھی انکار کیا اور نہ پہلو تہی کی۔ قانون اسلام کے مطابق قصاص اس وقت لیا جاتا جب کہ حضرت عثمان کے وارثین بارگاہ خلافت میں قاتلوں کو متعین کرکے ان پہ دعویٰ کرتے کہ فلاں فلاں نے حضرت خلیفہ مظلوم کو شہید کیا ہے اور اس پر شرعی گواہ لاتے جب عینی گواہوں کے بیان یا قاتلین کے اقرار سے ثابت ہو جاتا کہ یہ لوگ قاتل ہیں تب کہیں جاکر جرم ثابت ہوتا اور قصاص لینا فرض ہوتا ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے کسی ولی نے کبھی بھی اس قسم کا نہ تو دعویٰ دائر کیا اور نہ کوئی ثبوت پیش کیا حضرت علی قصاص لیتے تو کس سے لیتے۔ حضرت طلحہ و زبیر حتیٰ کہ خود حضرت امیر معاویہ نے

لشکر کشی تو کی مگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہِ خلافت میں دائر نہیں کیا اگر دائر کیا تو امروہوی صاحب یا ان کے حواریین ثبوت لائیں۔ امروہوی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے ماتحت کسی کے قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکڑتی ہے شبہ میں گرفتار کرتی ہے مارتی پیٹتی ہے۔ پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے۔ تیر تکہ پہ بیٹھ گیا اور فرضی گواہ جج کی نظر میں جرح وقدح میں سالم رہ گئے تو قاتل کو پھانسی ہو گئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قاتل گلچھڑے اڑاتا ہے اور بے گناہ تختہ دار پہ ہوتا ہے۔

امروہوی صاحب چاہتے ہیں کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت علی نے ایسا نہیں کیا لہذا وہ امروہوی صاحب کی نظر میں مجرم ہوئے وہ خلافت کے اہل نہیں ہے لیکن امروہوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کا قانون ایسا ظالمانہ نہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ جیسے خلیفہ راشد سے اس کی امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلامی قانون کے برخلاف کسی دوسرے قانون پہ عمل کرتے قصاص حد ہے ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا اشد ظلم افجر فجور اور افسق فسوق ہے۔ حدود الٰہی کے ترک کی نسبت مولائے مومنین صہر سید المرسلین کی طرف کرنا ابن تیمیہ جیسے مقہور اور اسکے اندھے مقلدین کا کام ہو سکتا ہے کسی سنی صحیح العقیدہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت حق تھی۔ آپ حضرت طلحہ، زبیر اور امیر معاویہ کے مقابلہ میں مصیب تھے۔ اس کی تصریحات احادیث کریمہ میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث اوّل: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ارشاد فرمایا تھا۔

تقتلك الفئة الباغية — تجھے خلیفہ برحق پہ خروج کرنیوالی جماعت قتل کریگی

حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے یہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت حق تھی۔ حضرت امام نووی فرماتے ہیں۔

قال العلماء هذا الحديث حجة ظاهرة في ان عليا كان محقا مصيبا — علماء نے فرمایا یہ حدیث کھلی ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ علیؓ حق و صواب

والطائفۃ الاخری بغاۃ الکھم مجتھدون فلا اثم علیھم۔ (جلد دوم ص۲۹۶)

پر تھے اور دوسرے گروہ سے خطاء اجتہادی ہوئی۔

حدیث دوم: امام بخاری نے حضرت ابو درداؓ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں۔

وفیکم الذی اجارہ اللہ من الشیطان علی لسان نبیہ یعنی عمارا۔

اور تم میں وہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے شیطان سے محفوظ رکھا اپنے نبی کے فرمان سے یعنی عمار۔

اسی کو تھوڑی تفسیر کے ساتھ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمایا۔

جب حسب فرمان حدیث حضرت عمار شیطان سے محفوظ ہیں تو ان سے خطا سرزد نہیں ہوسکتی۔ یہ تمام معرکوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علی حق پر تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی حق و باطل کا وہ معیار تھی جس کی وجہ سے بہت سے وہ صحابہ کرام جو اس نزاع میں متردد تھے حضرت علی کی حقانیت کے قائل ہوگئے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ما اساء علی شیء الا انی لم قاتل مع علی الفئۃ الباغیہ۔ (الریاض النضر ص۱۳۲)

اس سے زیادہ مجھے کوئی بات بُری معلوم نہیں ہوئی کہ میں نے حضرت علی کے ساتھ ان کے مخالف سے جنگ نہیں کی۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار کی شہادت سے پہلے پہلے معرکۂ کارزار میں ہوتے ہوئے تھے۔ تلوار بے نیام نہیں کی تھی مگر حضرت عمار کی شہادت کے بعد حضرت علی کی حمایت میں انتہائی جوش کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد خود حضرت عمرو بن عاص حضرت معاویہ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تطہیر الجنان واللسان میں فرماتے ہیں۔

بعض معتزلی علی ظھر لھم من الاحادیث انہ الامام الحق فندموا علی التخلف منہ کما

حضرت علی سے الگ رہنے والے صحابہ کرام میں سے بعضوں پر حدیثیں ظاہر ہوئیں تو وہ اس علیحدگی پر نادم رہے جیسا کہ گزر گیا

مرو منهم سعد بن وقاص۔ (۱۵۹) | انہیں میں سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

حدیث سوم: جنگ جمل میں جب دونوں فریق صف آرا ہوگئے تو حضرت علی نے حضرت زبیر کو بلایا۔ انہیں یاد دلایا۔ ایک دفعہ عہدِ رسالت میں ہم دونوں فلاں جگہ ساتھ ساتھ تھے۔ آنحضورؐ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ اے زبیرؓ علیؓ سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا۔ کیوں نہیں یہ میرے ماموں زاد بھائی و اسلامی برادر ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا۔ اے علیؓ! بولو کیا تم بھی انہیں محبوب رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اپنے پھوپھی زاد اور دینی بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں گا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ اے زبیر! ایک دن تم ان کے مدِمقابل ہوگے اور تم خطا پر ہوگے۔ حضرت زبیر نے اس کی تصدیق کی۔ فرمایا میں بھول گیا تھا اور صفیں پھاڑ کر میدان کارزار سے نکل گئے۔ (الریاض النضرہ ص۲۷۳ وصواعق محرقہ از حاکم و بیہقی ص۷۰)

حدیث چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

ایتکن صاحب الجمل الاحمر	تم میں کون سرخ اونٹ والی ہے جس پر
یخرج حتیٰ تنجها کلاب الحواب	حواب کے کتے بھونکیں گے اس
فیقتل حولها قتلیٰ کثیرة۔	کے بعد اس کے گرداگرد لاشوں کے
(صواعق محرقہ از ابن بزار و ابو نعیم ص۷۰)	ڈھیر ہوں گے۔

چنانچہ حضرت ام المؤمنین مکہ سے چلیں جب حواب پہنچیں کتوں نے بھونکنا شروع کیا حدیث یاد آئی۔ دریافت کیا کونسی جگہ ہے۔ لوگوں نے بتایا حواب ہے۔ یہ سن کر اپنا ارادہ فسخ فرمایا لیکن فتنہ پردازوں نے جب دیکھا کہ سارا معاملہ بگڑ رہا ہے تو فوراً بولے کہ یہ حواب نہیں کسی نے آپ کو غلط بتا دیا ہے۔

حدیث پنجم: حضور نے ارشاد فرمایا ہے:-

اللّٰھم ادر الحق معه حیث	اے اللہ! حق علیؓ کے ساتھ رکھ۔
(دار مشکوٰۃ)	جہاں بھی جائیں۔

حضور کی یہ دعا یقیناً مستجاب ہوئی اور ہر میدان میں حق حضرت علی کے ساتھ رہا۔
ان احادیث سے خوب واضح ہوگیا کہ حضرت مولائے مومنین صہر خاتم النبیین حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق تھی اور ان پر قصداً قصاص نہ لینے کا یا قتلِ عثمان میں کسی طرح شریک ہونے کا الزام غلط ہے۔ اس معاملہ میں بھی وہ حق پر تھے۔ ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ خلفاء کون ہیں ؟ ارشاد فرمایا :۔

ابوبکر وعمر وعثمان وعلی	خلفاء ابوبکر وعمر وعثمان وعلی ہیں سائل نے
قلت فمعاویہ قال لم یکن احد احق	حضرت امیر معاویہ کے بارے میں دریافت کیا۔
بالخلافۃ فی زمان علی من علی ۔	فرمایا حضرت علی کے زمانہ میں حضرت علی سے بڑھ
(صواعق محرقہ از بیہقی ابن عساکر)	کر کوئی دوسرا خلافت کا حقدار نہیں تھا۔

اب آیئے اس بحث کو حضرت امام نووی محرر مذہب شافعی شارح مسلم رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ کے بیان پر ختم کر دوں صحیح مسلم شریف جلد دوم ص۲۷۲ پر فرماتے ہیں :۔

اما عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت عثمان کی خلافت اجماعاً صحیح ہے۔
فخلافۃ صحیحہ بالاجماع و قتل	وہ ظلماً شہید کیے گئے ان کے قاتل فاسق ہیں
مظلوماً وقتلہ فسقۃ ولم یشارک	ان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا
فی قتلہ احد من الصحابۃ وانما قتلہ	انہیں کچھ چرواہوں ادھر اُدھر کے رذیل اور
ھمج ورعاع من غوغاء القبائل و	نیچے درجے کے لوگوں نے شہید کیا۔ حضرت علی
سفلۃ الاطراف والارذال واما علی	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخلافۃ صحیحۃ	صحیح ہے۔ اپنے عہد میں وہی خلیفہ
بالاجماع وکان ھو الخلیفۃ فی	تھے۔ کسی دوسرے کی خلافت
وقتہ لا خلافۃ لغیرہ ۔	نہیں تھی۔

امروہوی صاحب نے اپنی کتاب میں اس پر بہت زور باندھا ہے کہ یزید پلید

متبع سنت، متدین، زاہد، عابد وکبار تابعین میں تھا۔ بڑا مدبر، بیدار مغز اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ اس کی طرف فسق وفجور، کفر والحاد کے بارے میں جتنی روایتیں ہیں سب وضعی ہیں۔

امروہوی صاحب یزید کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انہیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ اور تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ" یزید کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے بُرا بھلا کہتے تھے مگر وہ خود آنکھ سے دیکھتے نہیں تھے لہٰذا ان کی بات قابلِ اعتبار نہیں"۔ لیکن اس کے برخلاف تیرہ سو برس کے بعد یزید کے فضل وکمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا آپ یزید کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ آپ نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ سوائے ابن تیمیہ اور ابن خلدون کے سارے مؤرخین روایت پرست تھے۔ تحقیق وجستجو سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ اندھا دھند جو کچھ سنا نقل کر دیا۔ سب سے پہلا محقق ابن خلدون ہے اور دوسرے آپ جیسے فنکار، اسی بنا پر آپ نے جگہ جگہ ابن خلدون کو سراہا ہے اور امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر مسلّم الثبوت امام کو شیعہ کہہ کر ناقابلِ اعتبار کر دیا۔ طبری اتنے پایہ کے امام ہیں کہ ابن خزیمہ محدّث کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ان پر بعضوں نے یہ الزام رکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے اس کا جواب علامہ ذہبی جیسے فنِ رجال نے ان زوردار الفاظ میں دیا ہے۔

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار الائمة الاسلام المعتمدين۔

یہ جھوٹی بدگمانی ہے۔ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں سے ایک امام کبیر ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ موجودہ صدی کے مشہور مؤرخ جناب شبلی اعظم گڑھی کو سیرت النبی کے مقدمہ میں طبری کے بارے میں لکھنا پڑا۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال وثوق اور وسعتِ علم کے معترف ہیں لیکن بُرا ہو جوشِ تعصب کا کہ جملہ آئمہ محدثین کی متفق علیہ ذات کے بارے میں امروہوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ وہ بالکل ہی غیر معتبر اور ناقابل قبول ہیں یقیناً امام طبری کا یہ کارنامہ کہ انہوں نے امروہوی صاحب کے لائق امیر

کے کرتوتوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یزیدیوں کے نزدیک جرم ناقابلِ بخشیدہ ہے۔ رہ گیا ابنِ خلدون تو چونکہ ان کے یہاں نیچریا نہ اسباب پرستی پر بہت زور ہے لہٰذا اس زمانے کے روحانیت سے محروم تاریخ داں اسے بہت اچھالتے ہیں مگر حقیقت کیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ خود خارجیوں کا بھائی معتزلی تھا۔ چنانچہ مولوی عبدالحیؒ لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں — "علامہ عبدالرحمٰن حضرمی معتزلی معروف بہ ابنِ خلدون۔"

سبحان اللہ! کیا خوب تحقیق ہے کہ ابنِ جریر طبری جیسے امام زماں کی باتیں محض اس بنا پر مردود کہ وہ یزید کے ہمعصر نہیں تھے شیعہ تھے مگر ان کے صدیوں بعد کے ایک معتزلی کی بات شیرِ مادر ؎ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امروہوی صاحب نے جس کے بیان کو اپنی افتاد طبع کے مطابق پایا اسے محقق، مدقق اور صحیح العقیدہ مانا اور جس کی بات اپنے رجحان طبع کے خلاف پائی اسے بد مذہب اور سطحی نظر والا کہہ دیا۔ یہی وہ تحقیق ہے، یہی وہ ریسرچ ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ یزید پلید کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں پہلے انہیں سنیں۔ پھر اس کے کرتوت دیکھیں۔ پھر امت کا فیصلہ۔

حدیث اوّل: امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ فقال ابوھریرۃ لوشئت ان اقول بنی فلان بنی فلان لفعلت فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ما ملکوا بالشام فاذا رأھم غلمانا احداثا قال لنا عسی ھؤلاء ان یکونون منھم قلنا انت اعلم۔

میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ عمرو بن یحییٰ نے فرمایا کہ ان پر خدا کی لعنت ہو، مروان لونڈا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو کہ میں بتا دوں کہ وہ فلاں بنی فلاں بنی فلاں ہیں تو میں بتا سکتا ہوں۔ عمرو بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں شام اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا۔ میں نے انہیں نوخیز چھوکرے دیکھے یہ انہیں میں ہوں گے۔ شاگردوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں۔

امروہوی صاحب کان کھول کر سنیں۔ یہ ابو مخنف کی روایت نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب کا نام لے کر بتا سکتا ہوں اور انہوں نے اشاروں سے بتا بھی دیا کہ وہ کون ہیں۔

حدیث چہارم دیکھیں۔ آپ کے حضرت مروان بن حکم کو عمرو بن یحییٰ جیسے جلیل القدر محدث تابعی فرماتے ہیں کہ — مروان انہیں ملعونین میں سے ہے اور آپ کے ممدوحین بنی امیہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں بنی مروان نے امت میں جتنی تباہی مچائی ہے وہ سب تقلید ہے۔ آپ کے لائق امیر یزید کی اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کے مصداق یہ ظالمین تو ہوں اور ان کا پیش رو نہ ہو اگر میرا یہ قیاس آپ کو نہ بھاتا ہو تو آپ شارحین کے ارشادات جلیلہ سنیے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں۔

قوله احداثا ای شبانا داد لهم یزید علیه مایستحق وکان غالبا ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار و یولیها الاصاغر من اقاربه۔	احادیث یعنی جوان ہوں گے ان کا پہلا یزید علیہ مایستحق ہے اور یہ عموماً بوڑھوں کو شہروں کی امارت سے اتارتا تھا۔ اپنے کم عمر رشتہ داروں کو والی بناتا تھا۔

(حاشیہ بخاری ص۱۰۴۶)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:۔

قوله علی یدی غلمة ای علی ایدی شبان الذین ما وصلوا الی مرتبة کمال العقل واحداث السن الذین لا مبالاة لهم باصحاب الوقار و الظاهر ان المراد ما وقع بین عثمان وقتله وبین علی والحسین ومن قاتلهم قال المظهر لعله ارید بهم الذین کانو بعد الخلفاء الراشدین مثل یزید و	غلمہ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو کمال عقل کے مرتبہ تک نہیں پہنچے ہیں اور وہ نو عمر جو وقار والوں کی پرواہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور حضرت علی و حضرت امام حسین سے لڑے۔ مظہر نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلفاء راشدین کے بعد تھے جیسے یزید اور

عبد الملک بن مروان وغیرھما۔ — عبدالملک بن مروان وغیرہ۔

دیکھئے سارے شارحین اسی پر متفق ہیں کہ غلمۃ قریش میں یزید ضرور داخل ہے۔

حدیث سوم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

تعوذو باللہ من راس السبعین وامارۃ الصبیان۔ (مشکوٰۃ ص۳۲۳ جلد۲)	لوگو ستر سال کی ابتدا، اور چھوکروں کے امیر ہونے سے خدا کی پناہ مانگو۔

امارۃ الصبیان کی شرح میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

ای من حکومت الصغار الجہال کیزید بن معاویہ واولاد حکم بن مروان وامثالھم قبل راھم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی منامہ یلعبون علی منبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔	امارۃ الصبیان سے جاہل چھوکروں کی حکومت مراد ہے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی اولاد اور ان کے مثل ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں انہیں اپنے منبر پر کھیل کود کرتے ملاحظہ فرمایا ہے۔

منبر پر کھیلنے والی حدیث کو خاتم الحفاظ علامہ اجل سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں بھی روایت فرمائی ہے۔

حدیث چہارم: صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر مکی ناقل ہیں۔

وکان مع ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بما مر عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی یزید فانہ کان یدعو اللھم انی اعوذبک من راس الستین وامارۃ الصبیان فاستجاب اللہ لہ فتوفاہ سنۃ تسع واربعین وکانت وفاۃ معاویہ و ولایۃ ابنہ سنۃ ستین۔	یزید کے بارے میں مذکورہ بالا باتیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی ہیں اس کا علم حضور کے بتانے سے حضرت ابو ہریرہ کو تھا وہ دعا فرمایا کرتے۔ اے اللہ! ۶۰ھ کی ابتدا اور چھوکروں کی بادشاہت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ ۴۹ھ میں فوت ہوگئے۔ امیر معاویہ کا انتقال اور یزید کی حکومت ۶۰ھ میں ہوئی۔

"ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ قریش" کے ذیل میں گزرا کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تھا کہ اگر کہو تو میں فلاں بن فلاں کا نام بتا سکتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ نے کھلے بندوں تو نام نہیں لیا مگر ۶۰ھ کی ابتدا اور چھوکروں کی امارت سے پناہ مانگ کر نہایت جلی غیر مبہم اشارہ فرما دیا کہ اس ۶۰ھ میں جو امارت قائم ہوگی اس سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ یزید کی حکومت تھی۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ امت کو برباد کرنے والے چھوکروں کا سرکردہ یزید ہے ان احادیث کو نقل فرما کر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اشارت بزبان یزید بے دولت کرد کہ ہم در سال ستین بر سریر شقاوت نشست واقعہ حرہ در زبان شقاوت نشان او وقوع یافت۔" (جذب القلوب صـ۳۳)

حدیث پنجم: علامہ اجل سیوطی تاریخ الخلفاء میں اور امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں شیخ محمد صبغان اسعاف الراغبین میں مسند ابو یعلیٰ سے راوی۔

لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔	میری امت کا معاملہ برابر درست رہے گا یہاں تک کہ پہلا ہی شخص اس میں رخنہ اندازی کریگا۔ وہ بنی امیہ کا ایک فرد یزید ہوگا۔

علامہ ابن حجر تطہیر الجنان میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رجالہ رجال الصحیح الا ان فیہ انقطاعاً۔	اس کے راوی صحیح راوی ہیں صرف اس میں انقطاع ہے۔

حدیث ششم: یہی حضرات اپنی اپنی کتابوں میں بحوالہ مسند رویانی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، وہ فرماتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔	میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ پہلا شخص جو میری سنت بدلے گا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہے۔

ان احادیث میں اگرچہ بعض ضعیف ہیں مگر ان کو دوسری روایات اور تلقی علماء سے تقویت

ہے لہذا قابلِ حجت ہیں۔

امروہوی صاحب کے لائق زاہد امیر کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سن چکے آپ خود بنی امیہ کے ایک فرد کی رائے سنیئے۔

صواعق محرقہ اور تاریخ الخلفا میں نوفل بن فرات سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

کنت عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید فقال امیر المؤمنین یزید بن معاویہ فقال تقول امیر المؤمنین فامر بہ فضرب عشرین سوطا۔	میں عمر بن عبدالعزیز کی بارگاہ میں تھا ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اسے امیر المومنین کہہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ڈانٹا اور کہا امیر المومنین کہتا ہے، حکم دیا اسے بیس کوڑے مارے گئے۔

(صواعق محرقہ و تاریخ الخلفاء)

یزید کے معاصرین میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں وہ فرماتے ہیں۔

واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ	ہم نے یزید کی بیعت اس وقت تک نہیں توڑی جب تک ہمیں یہ خوف نہ ہوا کہ سنگسار نہ کر دیئے جائیں۔ وہ شراب پیتا تھا اور نمازیں ترک کرتا تھا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۳۲ — تاریخ الخلفاء ص ۲۰۴)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی سے ناقل ہیں کہ:

سنہ ۶۲ھ میں یزید پلید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے بیعت لے۔ عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت یزید پلید کے پاس بھیجی یزید کے پاس سے جب یہ جماعت پلٹی تو یزید کی برائیاں کھلے بندوں کرنے لگی۔ اس کی بے دینی، شراب خوری، مناہی وملاہی کا ارتکاب، کتے بازی اور دیگر برائیوں کو واشگاف کرنے لگی۔ ان سے یہ حالات سن کر باقی اہل مدینہ بھی یزید کی بیعت و اطاعت سے بیزار ہو گئے۔ اس جماعت میں ابن منذر بھی تھے وہ

کہتے تھے۔ بخدا یزید مجھے ایک لاکھ درہم دیتا تھا لیکن میں نے سچائی چھوڑ کر ان کے سامنے سر نہ جھکایا، وہ شراب خور اور تارک الصلوٰۃ ہے نیز یہی شیخ ابن جوزی سے وہ اور ابو الحسن مدائنی سے نقل فرماتے ہیں۔

یزید پلید کے فسق و فساد کے دلائل ظاہر ہونے کے بعد اہل مدینہ منبر پہ آئے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کہا اگرچہ یزید مجھے انعام و اکرام دیتا ہے مگر وہ دشمن خدا دائم السکر ہے میں نے اس کی بیعت توڑی۔ اتنے زور و شور کے ساتھ بیعت توڑنے کا مظاہرہ ہوا کہ مجلس دستاروں اور جوتوں سے بھر گئی۔

امروہوی صاحب ابن منذر اور ان کے ہمراہی ابو مخنف سے کس کے توثیق فرماتے ہیں یہ تو یزید کے معاصر اور اس کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں۔ دیکھئے یہ آپ کے لائق زاہد امیر کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں۔ یزید پلید کے زہد و ورع، علم و فضل کا خطبہ پڑھنے والے امروہوی صاحب یزید کے کارنامے سنیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے شنیع اور قبیح جو واقعہ یزید پلید بن معاویہ کے زمانے میں رونما ہوا واقعہ حرہ ہے اس کو حرہ واقعہ اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں جس زمانہ میں مدینہ طیبہ آبادی ورونق میں مرتبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ بقیہ صحابہ اور انصار و مہاجرین و علماء کبار تابعین سے مالا مال تھا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ اہل مدینہ سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ یزید نے حکم دیا کہ اگر وہ لوگ میری اطاعت کر لیں تو فبہا ورنہ جنگ کرو فتح کے بعد تین دن تک مدینہ تمہارے لیے مباح ہے مسلم بن عقبہ آیا۔ مقام حرہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اہل مدینہ تاب مقابلہ

نہ دیکھ کر خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ (امروہوی صاحب کے صحابی مروان کی دسیسہ کاروائیوں کی بدولت) یزیدی مدینہ میں گھس آئے۔ پہلے پہل حرم نبوی کے پناہ گزینوں نے بڑی شدومد کے ساتھ مدافعت کی مگر تا بکے عبداللہ بن مطیع رئیس قریش مع اپنے سات فرزندوں کے شہید ہو گئے۔ آخر میں شامی درندے اس حرم پاک میں گھس پڑے۔ نہایت بیدردی کے ساتھ قتل عام کیا۔ ایک ہزار سات سو مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور کبار علمائے تابعین کو، سات سو حفاظ کو اور دو ہزار ان کے علاوہ عوام الناس کو ذبح کیا نہ بچے بوڑھے، نہ مرد نہ عورتیں، مال و متاع جو کچھ ملا سب لوٹا ہزاروں دوشیزگان حرم مصطفےٰ کی عصمت دری کی مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے روضۂ جنت میں گھوڑے باندھے۔ گھوڑوں کی لید و پیشاب سے اسے ناپاک کیا۔ تین دن تک اہل مدینہ کو یہ جراٴت نہ ہو سکی کہ مسجد نبوی میں جاکر نماز و اذان ادا کرے اور نہ ان یزیدی درندوں کو اس کی توفیق ہو سکی۔ حضرت ابوسعید خذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک نوچ لی گئی۔ تکاد السموٰت یتفطرن و تنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے زمین پھٹ پڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ جان اس کی بچی جس نے ان الفاظ میں یزید کی بیعت کی۔

ثم دعا الی بیعة یزید وانھم اعبد لہ فی طاعة اللہ ومعصیة فاجابوہ الا واحد امن قریش فقتل۔ (تطہیر الجنان ص ۱۳۴)

مدینہ تین دن لوٹنے کے بعد یزید کی اس بیعت کی دعوت دی کہ یہ لوگ یزید کے غلام ہیں اللہ عزوجل کی اطاعت و معصیت میں سب ان درندوں کے ظلم و ستم سے مرعوب ہو کر سب نے یہ بیعت کر لی۔ ایک قریشی نے نہیں کی تو اسے قتل کر دیا گیا۔ سعید بن مسیب کو کبار تابعین اور فقراء سبعہ میں ہیں پکڑ لائے یزید کی بیعت لینی چاہی انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت پر بیعت کرتا ہوں۔

ابن عقبہ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ان کے جنون کی گواہی دی جب کہیں جا کر ان کی جان بچی۔ پھر یزید کے حکم کے بموجب یزیدی لشکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا اس ارض پاک کا جس کے جنگلی جانور کو اٹھا کر اس کی جگہ سایہ میں نہیں بیٹھ سکتے محاصرہ کر لیا۔ آتش بازی کر کے کعبۃ اللہ کے پردہ اور چھت کو جلا دیا۔ فدیہ اسماعیل کے سینگ جل گئے اسی اثنا میں ان سارے مظالم کے بانی مبانی یزید کو اپنے کیفر کردار تک پہنچنے کا وقت آگیا اور وہ اپنے ٹھکانے گیا۔

اب آیئے علمار مابعد کے فیصلے یزید کے بارے میں سنیئے۔ باپ کے احوال کو بیٹے سے زیادہ تیرہ صدی کے بعد والا نہیں جان سکتا۔ معاویہ بن یزید کو جب اس پلید کے تخت پر بٹھایا گیا تو انہوں نے جو خطبہ دیا وہ بغیر ابو مخنف کی وساطت کے تو تاریخ کی کتابوں میں یوں مروج ہے۔

ثم قلد ابی الامر وکان غیر اھل لہ ونازع ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقصف عمرہ وانبتر عقبہ وصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثم بکی وقال ان من اعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعہ وبئس منقلبہ وقد قتل عترۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم واباح الخمر وخرب الکعبہ۔ (صواعق ص۱۳۴)

پھر میرے باپ کو حکومت دی گئی وہ نالائق تھا۔ نواسہ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے لڑا۔ اس کی عمر کم کر دی گئی وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر رو دیا اور کہا ہم پر سب سے زیادہ گراں اس کی بری موت اور برا ٹھکانا ہے۔ اس نے عترت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔ شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔

امام الاولیار الکرام سید التابعین العظام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما ادراک ما وقعۃ الحرۃ ذکر عن الحسن۔۔ فقال واللہ ما کاد ینجو منھم واحد قتل فیھا خلق من الصحابۃ ومن

تمہیں پتہ ہے واقعہ حرا کیا ہے۔ واللہ بہت کم اہل مدینہ اس سے بچے۔ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ایک خلق کثیر مقتول ہوئی۔

غیرھم فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ (صواعق ص۱۳۲۔ تاریخ الخلفا ص۱۳۶)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

امام ذہبی فرماتے ہیں :۔

لما فعل یزید باھل المدینہ ما فعل مع شربہ الخمر اتیانہ المنکرات اشتدعلیہ الناس وخرج علیہ غیر واحداً (ایضاً)

یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کچھ کیا۔ باوجود شراب پینے منکرات کا ارتکاب کرنے سے لوگ اس کے خلاف ہوگئے اور اس کی بیعت بہتوں نے توڑ دی۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن جوزی وغیرہ اس پر لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ ابن سبط جوزی نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ہے صواعق ص۱۳۲ شیخ احمد صبان اسعاف الراغبین میں تحریر کرتے ہیں۔

قال الامام احمد بکفرہ وناھیک بہ ورعا وعلما تقتضیان انہ لم یقل ذالک الا لما ثبت عندہ امور صریحۃ وقعت منہ توجب ذالک ووافقہ علی ذالک جماعۃ کابن الجوزی وغیرہ واما فسقہ فقد اجمعوا علیہ واجاز قوم من العلماء لعنہ بخصوص اسمہ وروی ذالک عن الامام احمد قال ابن الجوزی صنف القاضی ابو یعلی کتابا فیمن یستحق اللعنہ و ذکر منھم یزید۔

(ص۱۶۵)

امام احمد بن حنبل نے یزید کو کافر کہا اپنے علم و ورع کے اعتبار سے وہ کافی ہیں ان کے علم و ورع اس بات کے مقتضی ہیں کہ یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جبکہ صریح موجب کفر باتیں اس سے واقع ہوئی ہونگی۔ ایک جماعت کا جن میں ابن جوزی وغیرہ ہیں یہی فتویٰ ہے یزید کے فسق پر اجماع ہے۔ بہت سے علماء کرام نے یزید کا نام لے کر اسے لعنت کرنے کو جائز رکھا ہے۔ امام احمد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جوزی نے بتایا کہ قاضی ابو یعلی نے مستحقین لعنت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں یزید کا بھی نام ذکر کیا ہے۔

جب حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو کافر کہا۔ اس پر لعنت کرنے کو جائز فرمایا تو اس سے امروہوی صاحب کی اس تحقیق کی قلعی کھل گئی جو انہوں نے امام موصوف کے حوالے سے اس کے صاحبِ ورع کے بارے میں کی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح عقائد میں جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب ہے فرماتے ہیں۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین	حق تو یہ ہے کہ یزید کی رضا قتلِ حسین پر اور
واستبشاره بذالک واهانة اهل النبی	اس کا اس پر خوش ہونا اہلِ بیت نبوت کی توہین
علیہ السلام مما تواتر معناه وان کان	کرنا متواتر المعنی اگرچہ اس کی تفصیل آحاد ہے
تفاصیله آحادا فنحن لا نتوقف فی شانه	بس ہم اس کے معاملہ میں توقف نہیں کرتے بلکہ
بل فی ایمانه لعنة اللہ علیه وعلی انصاره	اس کے ایمان میں (وہ یقیناً کافر ہے) اس پر
واعوانه۔ (ص۱۱۷)	اس کے اعوان و انصار پر اللہ کی لعنت ہو

اگرچہ علماء محتاطین نے یزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت درکار ہے وہ نہیں ہے یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور ہم بھی اسے کافر کہنے سے سکوت کرتے ہیں لیکن عرض یہ ہے کہ جس بدنصیب کے بارے میں اتنے جلیل القدر آئمہ اور علماء کفر کا فتویٰ دیں، اسے لائق فائق، زاہد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل و نا اہل ہوگا۔ امروہوی صاحب نے ام حرام بنت ملحان کی حدیث سے یزید کے فضل و کمال کو ثابت کرنا چاہا ہے "کہ قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آوروں کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی ہے یہ حملہ یزید کی سرکردگی میں ہوا لہٰذا یزید بھی اس کا مستحق ہے" چونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ بشارت لشکر کے ہر فرد کے لیے ہے۔ لہٰذا انہوں نے طرح طرح کی حکایتیں کہی ہیں۔ علامہ ابن حجر کے بارے میں یہ لکھا ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ محدث المہلب

کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویه لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینه قیصر۔

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت امیر معاویہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزید کے) کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر جہاد کیا (ص۲۳)

پہلی خیانت اس عبارت میں یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ اور ان کے ناخلف بیٹے یزید دونوں کی منقبت ثابت کرنے کی نسبت سید الحفاظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ ابن حجر نے مہلب کا یہ قیاس نقل کر کے اسے رد فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علامہ موصوف یزید کو لائق مغفرت نہیں مانتے۔ بخاری کے حاشیہ پر وہیں متصلاً ہے۔

وتعقبه ابن التین و ابن المنیر بما حاصله انه لا یلزم من دخوله فی ذالک العموم انه لا یخرج احد بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم مغفور لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتد احد من غزا بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم۔

مہلب کے قیاس کو ابن تین اور ابن منیر نے یوں رد کیا کہ عموم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دلیل خاص سے کوئی نکل نہ سکے اس لیے کہ حضور کا ارشاد "مغفور لهم" اس چیز کے ساتھ مشروط ہے کہ اہل لشکر مغفرت کے اہل ہوں گے اگر کوئی غازیوں میں سے اس کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس بشارت کے عموم میں ہرگز داخل نہیں ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ "مغفور لهم" کی بشارت انہیں کو شامل ہے جس میں مغفرت کی اہلیت ہے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مغفور لهم کی بشارت انہیں لوگوں کو شامل ہے

جو لشکر کشتی کے وقت مسلمان رہے ہوں اور آخر دم تک ایمان پر ثابت رہے ہوں۔ اگر کوئی اس جنگ کے وقت مسلمان تھا بعد میں کافر ہو گیا تو باتفاق علما، اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اگر غزوہ کے بعد کوئی ایسا امر پایا گیا جو منافی مغفرت ہو تو وہ محروم رہ جائے گا اور ہم اوپر ثابت کر آئے کہ یزید سے اس غزوہ کے بعد بہت سے ایسے امور سرزد ہوئے جن پر علمائے کفر کا فتویٰ تک دے دیا ہے لہٰذا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز و روزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ کے لیے اعلیٰ اعلیٰ جزاؤں کا بیان ہے کیا جو بھی خواہ بد مذہب، بے دین ہی کیوں نہ ہو نماز پڑھ لے تو وہ اس اجر کا مستحق ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اعمال پر اجر کا دارو مدار، ایمان حسن نیت اور مقبولیت پر ہے، ایمان نہیں خالصا لوجہ اللہ نہیں تو وہ فاعل کبھی اجر کا مستحق نہ ہو گا اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہاد کا اجر مغفرت ذنوب ہے لیکن یہ اجر ایمان خلوص کے بعد ملے گا جس میں دونوں باتیں نہ ہوں وہ یقیناً محروم رہے گا۔

امروہوی صاحب علامہ ابن حجر کی طرف مہلب کا قول منسوب کرنا اور ان کے رد کو نظر انداز کر دینا بھی آپ کے نزدیک تحقیق کا اعلیٰ معیار ہے رد کرنے والوں کو قائل بنا نا وہ تحقیق ہے جس کی داد آپ کے اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی ہی دے سکتے ہیں۔ اے خلافت معاویہ و یزید کے تحقیق بتانے والو! دیکھو یہ ہے تمہارے محقق کی کمال تحقیق ؎

دوسری خیانت علامہ ابن حجر نے اوجبوا کی شرح میں فرمایا تھا ای فعلوا فعلا وجب لھم بہ الجنۃ۔ انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے جنت واجب ہو گئی اس میں سے فعلوا فعلا ہضم کر کے صرف وجبت لھم بہ الجنۃ کو نقل کیا۔ کتر بیونت سے بھی جب کام چلتا نظر نہیں آیا تو ترجمہ میں یہ عظیم تحریف کی یعنی ان سب غازیوں کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ وجبت لھم بہ الجنۃ۔ میں ایسا کوئی لفظ نہیں تھا جو کلیت پر دلالت کرتا ہو لہٰذا آپ نے ترجمہ میں سب غازیوں کو بیچ لگا دی تاکہ مغفور لھم کے ترجمہ میں بھی یہ بیچ فٹ ہو جائے۔

اے دین کے دشمنو! تم یزید کی یزیدیت پر اپنا دین و ایمان منڈا بیٹھے ہو تو منڈائے رہو احادیث و قرآن کو کھیل نہ بناؤ مگر کیا کرو گے تم تو پیروان کے ہو جنہیں اللہ جل و علیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ فاسق و فاجر تھا امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں۔ اس پر لعنت کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ وہ زاہد و عابد تھا۔ تمام تاریخ چھان ڈالئے اس کے زہد و قناعت کا ایک پہلو نہیں ملے گا۔ اگر تھا تو امروہوی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا بلکہ خود امروہوی صاحب کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید ہرگز زاہد نہیں تھا صفحہ پر لکھتے ہیں۔

"حضرت ابو درداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے ان کی صاحبزادی کو نکاح کا پیغام بھی دیا تھا وہ یزید کو پسند کرنے تھے لگا اپنی بیٹی ایسے گھرانہ میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادمہ موجود ہو، پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دے دی"

امروہوی صاحب ہمیں سردست اس سے بحث نہیں کرنا ہے کہ ابو درداء یزید کو پسند کرتے تھے یا نہیں، یزید ان سے مانوس تھا کہ مرعوب اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اس زاہد خدا پرست نے اپنی نورِ نظر کو یزید کے گھر جانے دینا اس لئے نہیں گوارہ کیا کہ وہاں کام کاج کے لئے خادمہ تھی۔ کام کاج کے لئے خادمہ کا ہونا زہد کے کس درجہ میں داخل ہے۔ بولئے حضرت ابوالدرداء نے گھر میں خادمہ کے ہونے کو زہد کے منافی جانا یا نہیں گھر میں خادمہ رکھ کے آپ کے لائق فائق امیر زاہدین کے زمرے میں رہے یا نہیں" خلافت معاویہ و یزید کا اصل موضوع یہ ہے کہ ریحانہ رسول، جگر گوشہ بتول امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاطی و باغی تھے اور یزید پلید اور اس کے لشکر والے حق پر تھے لیکن اسے ثابت کرنا آسان کام نہیں تھا جیسے قاتل ایک قتل چھپانے کے لئے دسیوں قتل کر ڈالتا ہے اسی طرح امروہوی صاحب کو خانوادۂ نبوت کا خون ناحق چھپانے کے لئے سینکڑوں

امت مسلمہ کے مسلمات کو ذبح کرنا پڑا ہے۔ آپ نے بغض آلِ رسول و حُبّ یزید میں وہ جوش و خروش دکھایا ہے جس کی داد ابنِ ملجم یا ابنِ زیاد ہی دے سکتا ہے۔

آپ نے پہلے یزید کو زاہد و فاضل۔ مدبر سپاہی اور غازی ثابت کیا پھر اس کی خلافت کو حق بنایا۔ پھر امام عالی مقام کی خطا ثابت کی پھر واقعہ شہادت کی سینکڑوں جزئیات کو غلط بتایا۔ حد یہ کہ واقعہ شہادت کو اس طرح بیان کیا جیسے یہ کوئی اتفاقی معمولی سا واقعہ ہو جیسے چلتے چلتے پاؤں تلے چیونٹی مسلی جائے۔ مگر یہ سب اس وقت ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ آئمہ سیر و تاریخ پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ اس کے لئے آپ نے امام ابن جریر طبری کو شیعہ بتایا۔ ابو مخنف کو وضاع کذاب کہا۔ ابن خلدون تک کے تمام آئمہ سیر کو اندھا مقلد بتایا۔ جگہ جگہ روایت کو درایت کو ترجیح دی قیاس سے تاریخی واقعات ثابت کئے وغیرہ وغیرہ جب کہیں جا کر ان کے لائق زاہد امیر یزید کا دامن ان کے خیال میں خانوادۂ رسول کے خون ناحق سے صاف ہوا۔

اگر ہم ان تمام باتوں پر الگ الگ سیر حاصل بحث کریں تو اس کے لئے دفتر چاہیئے اس لئے ہم ان تمام جزئیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اصولی باتوں پر گفتگو کر کے اس بحث کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

"یزید خلافت کا اہل نہیں تھا" ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ یزید فاسق و فاجر تھا جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ خلافت نیابت رسول ہے۔ خلیفۂ وقت کے ہاتھ میں مسلمانوں کا دین بھی ہوتا ہے دنیا بھی ہوتی ہے۔ فاسق کا فسق و فجور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ وہ اپنی ہوس پرستی میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں کرتا اس لئے فاسق کا یہ منصب سونپنے میں دین و ملت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کسی بھی فاسق و فاجر کو یہ منصب سونپنا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درست نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ فاسق کو خلیفہ بنانے میں فاسق کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم و تکریم ناجائز اور گناہ ہے اس لئے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یزید کی خلافت درست نہیں تھی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی

قدس سرہٗ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

قال اللافانی فی شرح جوھرتہ فی شرط الامامۃ انہا خمسۃ الاسلام والبلوغ والعقل والحریۃ وعدم الفسق بجارحۃ او اعتقاد لان الفاسق لا یصلح لامر الدین ولا یوثق باوامرہ ونواھیہ والظالم یختل بہ امر الدین والدنیا فکیف یصلح للولایۃ ومن الوالی لدفع شرہ الیس یعجب استرعا الغنم الذئب (ص۲۱ ملخصاً)

افانی نے شرح جوہرہ میں فرمایا امامت (کبریٰ) کی شرطیں پانچ ہیں۔ مسلمان، بالغ، عاقل آزاد اعتقاداً عملاً فاسق نہ ہونا۔ اس لئے کہ فاسق امر دین کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ اس کے اوامر و نواہی پہ وثوق کیا جا سکتا ہے ظالم سے دین و دنیا کا امر برباد ہو جائیگا تو کس طرح والی بنانے کے لائق ہے اس کے شر کو دور کرنے کے لئے کون والی ہوگا۔ کیا بھیڑیے سے بھیڑ کی چرواہی تعجب انگیز ہے۔؟

حضرت امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں جو معرکۃ الآرا خطبہ دیا تھا اسے ناظرین سُنیں اور خدا توفیق دے تو حق قبول کریں۔

ان الحسین خطب اصحابہ واصحاب الحر بالبیضۃ فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من رای سلطانا جائرا مستحلا لحرم اللہ ناکثا بعہد اللہ مخالفا لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر علیہ بفعل ولا قول کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ الا ان ھٰؤلاء قد لزموا طاعۃ الشیطان

امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں اپنے اور حُر کے ساتھیوں کو خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا۔ اے لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا جو ظالم ہو۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہو۔ عہدِ الٰہی توڑتا ہو۔ سنتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہو۔ اللہ کے بندوں میں ظلم وتعدی کے ساتھ حکومت کرتا ہو اور دیکھنے والوں کو اس پہ قولاً یا عملاً غیرت نہیں آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ (دوزخ) میں اس (مداہن) کو ڈال دے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا

وترکوا طاعۃ الرحمٰن واظھروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفی و احلوا حرام اللہ وحرموا حلال اللہ وانا احق من غیر۔

ہوں ان لوگوں (یزید اور یزیدیوں) نے شیطان کی اطاعت کی رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی فساد مچایا۔ حدود الٰہی کو بیکار کر دیا۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا میں غیرت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ صدقت یا سیدی جزاک اللہ عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

یہ خطبہ اگرچہ ابو مخنف سے مروی ہے لیکن ابو مخنف وضاع کذاب غیر مستند نہیں ہیں اگر امروہوی صاحب یا ان کے حواریں ابو مخنف پہ کبھی جرح کی زحمت گوارہ نہ کریں گے تو انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ہم بھی آگے نہ بڑھیں گے۔

دوسری بات یہ کہ امام نے اس خطبہ میں جو حدیث پڑھی ہے اس کی تائید دوسری متفق صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لئے اس کے موضوع جاننے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نے اس خطبہ میں یزیدیوں کے ایک ایک کرتوت کو مجمع عام میں بیان فرمایا مگر کسی کو ان باتوں کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی جس سے ثابت ہو گیا۔ حرام کو حلال کرنا حلال کو حرام کرنا۔ حدود الٰہی کو معطل کرنا۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لینا۔ مختصر یہ کہ شیطان کی اطاعت کرنا یزید اور یزیدیوں کا شعار ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں حدیث کو سامنے رکھئے کیا اس حدیث کے سامنے ہوتے ہوئے ابن شیر خدا چپکے سے یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیتے؟ یہی وہ رمز ہے جسے خواجۂ خواجگان سلطان الہند خواجہ غریب نواز نے اپنی مشہور رباعی میں ظاہر فرمایا ہے۔ رباعی

شاہ ست حسین بادشاہ ست حسین	دین ست حسین دین پناہ ست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الٰہ ست حسین

ایسے جابر اور فاسق بادشاہ کی عادت بد کی تغیر کے دو طریقے تھے۔ ایک قول سے ایک فعل سے۔ دیگر صحابۂ کرام نے قول سے کیا۔ امام عالی مقام نے فعل سے کیا۔ فعل سے کرنا افضل تھا۔ نواسۂ رسول ؐ کے شایان شان افضل پہ عمل کرنا تھا وہی انہوں نے کیا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ یزید کے جو حالات امام عالی مقام کے علم میں تھے اس کے پیشِ نظر نہ اس کی خلافت درست تھی اور نہ فرمانِ رسول کے پیشِ نظر امام کو خاموش رہنا ممکن تھا تو امام نے جو کچھ کیا حق کیا۔ یزیدیوں نے امام کے خلاف جو کچھ کیا وہ سب ظلم و عدوان تھا۔ آیئے اب احادیث کریمہ سے امام عالی مقام کا حق پہ ہونا ثابت کریں۔

حدیث اوّل مشکوٰۃ شریف میں ص۵۷۲ پر سلمیٰ سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئی انہیں روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ آپ کیوں روتے ہیں انہوں نے ارشاد فرمایا۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسہ ولحیتہ تراب فقلت مالک یارسول اللہ قال شہدت قتل الحسین آنفا۔	میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا کہ سرِ اقدس اور ریش مبارک گرد آلود ہیں میں نے عرض کیا یا رسول کیا بات ہے ارشاد فرمایا ابھی حسین کے مقتل میں تشریف فرما تھا۔

حدیث دوم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں

رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما یری النائم ذات یوم بنصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم فقلت بابی انت امی ماھذا قال ھذا دم الحسین واصحابہ ولم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصی ذالک الوقت فاجد قتل ذلک الوقت ایضا ص۵۷۲	میں نے ایک دن خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دیکھا۔ دوپہر کو وقت زلف مبارک منتشر چہرہ انور پہ گرد ہے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے آج جمع کرتا رہا ہوں۔ ابنِ عباس کہتے ہیں

میں نے یہ وقت خیال میں رکھا۔ حضرت حسین اسی وقت شہید ہوئے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقتل میں تشریف لانا، خون کے قطروں کا

جمع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام اور اصحاب امام کا ہر ہر قطرۂ خون حمایت حق و باطل میں بہا تھا اور اگر یزیدی حق پہ ہوتے تو اس نوازش کے مستحق وہ تھے نہ کہ امام اگر آپ کہیں کہ نواسے تھے اس رشتہ سے تشریف لائے تھے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ وہ حق کے مقابلہ میں باطل پرست نواسہ کو نوازے اس کی توصلہ افزائی کرے۔ اگر حق یزید کے ساتھ ہوتا تو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم امام عالی مقام کے مقتل میں ہوتے اور ان کا خون جمع فرماتے۔ رہ گئے علماء کے نصوص تو آپ نے اوپر پڑھ لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک تمام آئمہ دین اور علمائے متین نے یزید کے ظلم وستم، فسق و فجور حتیٰ کہ بعضوں نے کفر کی تصریح کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باطل پہ تھا اور امام عالی مقام حق پر تھے۔ اطمینان مزید کے لئے تمہید امام ابو شکور سالمی کی سند پیش کروں، یہ کتاب عقائد کی اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اسے درس میں پڑھا ہے۔

قال اهل السنة والجماعة ان الحسين رضی الله تعالى عنه كان الحق فی جده وقد قتل ظلما۔	اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ حق پہ تھے اور وہ ظلماً شہید ہوئے۔

پھر حضرت معاویہ اور یزید میں فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان معاوية كان عالما من غير فسق وكانت فيه الديانة ولو لم يكن متدينا لكان لا يجوز الصلح معه وكان عادلا فيما بين الناس ثم بعد علي كان اماما على الحق عادلا في دين الله وفي عمل الناس وكان يزيد بخلاف هذا لانه روى انه شرب الخمر وامر بالملاهي والغناء ومنع	حضرت امیر معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے ان میں دینداری تھی اگر یہ دیندار نہ ہوتے تو ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی عادل تھے حضرت علی کے بعد امام حق تھے دین اور معاملات ناس میں عادل تھے۔ برخلاف یزید کے کہ اس کے بارے میں مروی ہے اس نے شراب پی۔ باجا گاجا بجوایا۔ اہل حق کو حق سے محروم رکھا۔ دین میں فسق ہو

الحق علی اھلہ وفسق فی دینہ ۔ گیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ یزید فسق و فجور و عدوان کی وجہ سے خلافت کا اہل نہیں تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کی بیعت نہ کرنا حق تھا۔

امام کی خطا کے استدلات اور اس کے جوابات

امروہوی صاحب نے امام کے خطا پر ہونے کے ثبوت میں وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن میں امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم وارد ہے ارشاد ہے۔

"سنو اور مانو اگرچہ وہ حبشی غلام کیوں نہ ہو وغیرہ وغیرہ ------- صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں "اولی الامر (امیر کے لئے رنگ ونسل۔ اس عبارت میں آپ نے اہل سنت کے اس اجماعی مسئلہ کا خلاف کیا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی کا ہونا شرط ہے) حدیث میں ہے۔

الائمۃ من قریش۔ یعنی خلفائے اسلام قریش سے ہیں۔ خلافت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے اس کے خلاف معتزلہ نے کہا ہے مگر ابن خلدون معتزلی کی اندھی تقلید نے امروہوی صاحب سے اہل سنت وجماعت کے اس اجماعی مسئلہ کا بھی خون کرا دیا ہے معلوم نہیں حُبِّ یزید کس کس کھاڑی میں گرائے گی۔

پہلا جواب ان احادیث میں امیر سے مراد خلیفہ نہیں بلکہ والی ملک یا والیِ فوج ہے علامہ عینی عمدۃ القاری اور حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

ھٰذا فی الامراء والعمال لا الائمۃ والخلفاء فان الخلافۃ فی القریش لا یدخل فیھا لغیرہ۔	یہ امراء اور عمال کے بارے میں ہے ائمہ اور خلفاء کے بارے میں نہیں اس لئے کہ خلافت قریش کے لئے ہے دوسرے کو اس میں دخل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یزید جب امیر حج اور امیر فوج ہوا تو امام عالیمقام نے اس کی ماتحتی قبول کرنے پر کوئی اعتراض نہ کیا کہ امیر فوج و حج کے لئے فسق وفجور سے محفوظ رہنا امام کے نزدیک شرط نہیں اور خلافت کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا اسے امیر فوج تسلیم کیا

خلیفہ تسلیم نہیں فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ خلیفہ کی اطاعت اس وقت لازم ہے جب کہ اس کی خلافت شرعًا صحیح ہو۔ اگر اس کی خلافت شرعًا درست نہ ہو تو اس کا حکم وہ نہیں جو ان احادیث میں وارد ہے چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وارد ہے۔

وان لا ننازع الامر اھلہ کہ ہم خلافت کے اہل سے منازعت نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری تاکیدیں اس کے لئے ہیں جو خلافت کا شرعًا اہل ہو اور اس کی خلافت شرعی حیثیت سے ثابت ہو پہلے کے بیانات سے ثابت ہے کہ امام کے نزدیک یزید کی خلافت صحیح نہیں تھی لہٰذا اس کی اطاعت لازم نہیں تھی۔

امروہوی صاحب نے یزید کے برحق ہونے کی دلیل پیش کی ہے۔

"یزید کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیعہد کر دیا تھا جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ جیسے صدیق اکبرؓ کے استخلاف سے حضرت عمرؓ کی خلافت درست تھی اس طرح حضرت امیر معاویہؓ کے ولی عہد کرنے سے یزید کی امارت درست ہو گئی۔"

جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سب صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے باتفاق قبول کیا اور اسے سراہا۔ صرف ایک صاحب نے عذر کیا کہ "وہ بہت درشت مزاج ہیں" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ "ان کی درشتی میری نرمی کی وجہ سے تھی جب ساری ذمہ داری ان کے سر آن پڑے گی تو وہ نرم ہو جائیں گے۔"

ابن عساکر نے یسار بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اپنی عدالت کے جھروکے سے سر نکال کر لوگوں سے پوچھا کہ میرے استخلاف پر تم لوگ راضی ہو، تو لوگوں نے جواب میں کہا۔ "اے خلیفۂ رسول اللہ ہم سب راضی ہیں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور کہا "عمرؓ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوگا تو ہم راضی نہ ہوں گے۔"

راضی نہ ہوں گے"۔

صدیق اکبر نے جواب دیا "وہ عمر ہی ہیں" حضرت صدیق اکبر کے وصال کے بعد پھر سارے صحابہ اور تابعین نے بلا نکیر منکر حضرت عمر کے ہاتھ پہ بیعت کی۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں کیا تھا۔ برخلاف یزید کی ولی عہدی کے کہ حضرت امیر معاویہ نے جب دمشق میں لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا تو لوگوں نے وہاں بھی بڑے شد ومد سے مخالفت کی، اس کا اعتراف امروہوی صاحب کو بھی ہے صفحہ ۲۳ پہ لکھتے ہیں۔ یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔

"مدینہ آئے تو اعیان صحابہ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن عمر ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت حسین نے دو روہ اس پہ اعتراضات کئے حضرت عبدالرحمٰن نے صاف صاف کہا (اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا) قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ (تاریخ الخلفاء) حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہاں تک کہدیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت عمر تک جو طریقہ خلیفہ کے تقرر کا تھا اس میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرو تو ہمیں منظور ہے، ان کے علاوہ ہمیں کوئی جدید طریقہ منظور نہیں۔ (ابن اثیر)

حضرت امیر معاویہ کے بعد جب یزید نے اپنی بیعت لینی چاہی تو بھی حضرت حسین اور ابن زبیر نے صاف انکار کردیا۔

یہی اعیان اہل حل و عقد تھے جو یزید کی امارت پہ نہ امیر معاویہ کے زمانہ میں راضی ہوئے نہ ان کی وفات کے بعد راضی ہوئے اس لئے یزید کی امارت شرعًا درست نہ ہوئی اس موقع پہ امروہوی صاحب نے یہ جھک مارا ہے کہ "یزید کی ولی عہدی کا قصہ ۵۶ھ کا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن ۵۳ھ میں وفات پا گئے۔ پھر انہوں نے اس پہ اعتراض کب کیا۔ ص۳۵ پہ لکھتے ہیں۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات

ہیں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تو اس وقت بھی زندہ نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پاچکے تھے۔ یہ اعتراض امروہوی صاحب کے فن تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی۔ (ص۲۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا وصال ۵۰ھ میں ہوگیا تھا لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ۵۰ھ سے قبل یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہو۔ ۵۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن کا وصال ہوا۔ ولی عہدی کا مسئلہ پیش ہونے کے بعد تین سال تک وہ زندہ رہے اور اس درمیان میں ولی عہدی کا مسئلہ برابر چلتا رہا۔ ہوسکتا ہے اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی اعتراض کیا ہو۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ۵۶ھ ہی میں انہوں نے اعتراض کیا ہو۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر طرح خلافت کے اہل تھے اور یزید ہر طرح نا اہل۔ اس سے حضرت عمر کا انتخاب درست اور یزید کی ولی عہدی درست نہ تھی علماء نے جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ خلیفہ سابق کے استخلاف سے امارت ثابت ہوتی ہے وہاں اہل کی بھی قید لگائی ہے۔ صواعق محرقہ ص۵ پر ہے۔

الامامة تثبت اما بنص من الامام على استخلاف واحد من اهلها اما بعقدها من اهل العقد والحل لمن عقدت له من اهلها۔	امامت دو طرح ثابت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ خود امام کسی اہل کے خلیفہ بنانے کی تصریح کردے۔ دوسرے اہل عقد وحل کسی اہل کو مقرر کردیں۔

یزید میں اہلیت نہیں تھی جس کا بیان گزر چکا۔ لہٰذا اس کو ولی عہد کرنا درست نہیں تھا ——

تیسری دلیل یہ کہ امت کی اکثریت نے یزید کی بیعت کرلی تھی اور فیصلہ کثرت رائے پر ہوتا ہے لہٰذا یزید کی خلافت حق اور امام کا بیعت کرنا خطا۔

جواب اولاً۔ یہ قانون اسلام نہیں انگریزوں کا ہے۔ اگر آپ کسی انگریز کی ہسٹری لکھتے اور اس قانون سے مدد لیتے تو اسے انگریز مان لیتے مگر آپ بانی اسلام کی جانشینی کے

مسئلہ کو اس انگریزی قانون سے نہیں طے کر سکتے اسے خالص اسلامی اصول سے طے کرنا ہوگا۔ علمائے ملّت تو یہ فرماتے ہیں۔

الواحد علی الحق ھوالسواد الاعظم۔ ایک حق پرست ہی سوادِ اعظم ہے۔

آپ کے اس قانون کو اگر حق مان لیں اور عیسائی یہ کہہ بیٹھے۔ آئیے آپ کے اس قانون سے اسلام و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے اور ووٹ لیا جائے جس کی طرف زیادہ ووٹ ہوں وہ مذہب حق پر ہوگا تو بولئے آپ اس صورت میں اکثریت کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ پچ ہے حبّ الشئی یعمی ویصم...... حبِّ یزید میں آپ کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ آپ کو یزید کی حقانیّت کا راگ الاپنے سے کام ہے۔ اگرچہ اس کی رَو میں دین و دنیا سب بہہ جائیں۔

ثانیاً ۔ حالت جبر واکراہ کے احکام اور ہیں اور اختیار کے اور۔ اسی طرح یزید کی بیعت نہ کرنے میں جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی کا اندیشہ تو یہ تھا۔ یزید پلید اس پر قادر بھی تھا۔ واقعہ کربلا۔ واقعہ حرّہ۔ احصار مکّہ معظمہ اور احراق کعبہ مقدسہ اس پر شاہد عدل ہیں ایسی صورت میں رخصت یہ تھی کہ یزید کی بیعت کر لی جاتی۔ عزیمت یہ تھی کہ بیعت نہ کی جائے اس رخصت پر عمل کرنے میں ثواب تھا نہ عذاب۔ عزیمت پر عمل کرنے میں ثواب تھا۔ نواسۂ رسولؐ کے لئے شایان شان عزیمت پر عمل کر کے جنت کا دولہا بننا تھا، انہوں نے عزیمت پر عمل کیا۔ دیگر صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے رخصت پر عمل کیا اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں جس طرح حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کرنے کی رخصت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے مگر کلمۂ کفر زبان پر نہ لائے۔ عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور رخصت پر عمل کرنیوالا گنہگار نہیں۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملّت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے الحجۃ المؤتمنہ میں فرماتے ہیں۔

اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس پلید کی وہ ملعون بیعت کر لی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن و سنّت ہو یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا

قال اللہ تعالیٰ۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ یا جان دیدی جاتی اور وہ ناپاک نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثوابِ عظیم اور یہی ان کی شان رفیع کے شایان تھی اسی کو اختیار فرمایا۔ (ص۹۶)

" چوتھی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے حضرت امام کو خروج سے منع فرمایا۔ ان حضرات کا خروج سے منع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خروج ناجائز تھا۔"

جواب۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ جب حضرت امام نے مکہ سے کوفہ جانے کا عزم محکم فرما لیا تو ان حضرات نے حضرت امام کو کوفہ جانے سے اس بنا پر روکا کہ اہل کوفہ دغا باز اور بے وفا ہیں ان پر اعتماد نہ کیجئے وہ عین موقع پر دغا دیں گے اور آپ کو اکیلے چھوڑ دیں گے۔

امروہوی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روکنے کا بڑے شدومد سے تذکرہ کیا ہے اس لئے اس واقعہ کے انکشاف کے لئے ان کے الفاظ کریمہ نقل کرتا ہوں۔

واللہ انی لاظنک مستقتل بین نسائک وابنائک کما قتل عثمان فلم یقبل منہ فبکی ابن عباس۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۴۴)	یا اللہ میرا گمان ہے کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے شہید کئے جاؤ گے جیسا کہ عثمان شہید ہوئے حضرت امام نے نہ مانا تو ابن عباس روئے۔

جب امام نہ مانے اور کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے تو ابن عمر فرمایا کرتے۔

غلبنا حسین بالخروج ولعمری لقد رای فی ابیہ واخیہ عبرۃ ایضاً۔	حسین ؓ نے مانے چلے گئے حالانکہ میری جان کی قسم اپنے والد بھائی کے معاملہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر کسی عراقی نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی مارنا کیسا ہے تو فرمایا۔

اھل العراق یسألون عن قتل	اہل عراق مکھی کے مار ڈالنے کے بارے میں
الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ	پوچھتے ہیں اور انہوں نے نواسۂ رسول کو
وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھما	شہید کیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ریحانتای من الدنیا (بخاری)	انکے بارے میں فرمایا وہ میرے پھول ہیں۔

اگر امروہوی صاحب کی تحقیق کے بموجب حضرت امام کا کوفہ جانا خطا ہوتا اور امام پر خروج ہوتا تو ان کا قتل کیا جانا حق تھا اس پر ابن عمر عراقیوں پر تعریض نہ کرتے بلکہ انہیں داد دیتے کہ تم نے اچھا کیا تم کو مولیٰ عزوجل جزا دے ایک زبردست باغی کو قتل کر کے امت میں اتحاد و اتفاق قائم کر دیا جیسا کہ امروہوی صاحب تیرہ سو سال کے بعد داد دے رہے ہیں اسی سے معلوم ہو گیا کہ یزید پلید باطل پر تھا، امام عالی مقام کا اس کی بیعت سے انکار کرنا حق تھا اور امام کی شہادت خون ناحق تھی۔

اب واضح ہو گیا کہ ان حضرات کا کوفہ جانے سے روکنا اس بنا پر نہیں تھا کہ یہ لوگ امام کے اس اقدام کو باطل جانتے تھے اور یزید پلید کی بیعت کو حق بلکہ اس بنا پر تھا کہ کوفی لائق اعتبار نہیں، اس شق کو مزید تقویت ابن عباس کے اس جملہ سے ہوتی ہے۔

"آپ بجائے کوفہ کے یمن چلے جائیں۔ وہاں کے لوگ آپ کے والد کے محب خاص ہیں ایک وسیع ملک ہے وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں اور وہ بالکل الگ تھلگ ہے وہاں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو، ہر طرف داعی بھیجو اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا" (طبری)

اگر ابن عباس کے نزدیک یزید کے خلاف کوئی تحریک بغاوت تھی تو یمن جا کر اس بغاوت کو پھیلانے کا کیوں مشورہ دے رہے تھے، یہ کونسی منطق ہے کہ کوفہ جانا بغاوت و خروج ہو اور یمن جانا امن و اتحاد۔ یہ ایسی منطق ہے جو اسی دماغ میں آسکتی ہے جو حب یزید اور بغض اہل بیت نبوت سے ماؤف ہو چکا ہو پھر یہی ابن عباس امام سے یہ بھی فرماتے ہیں

"ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے

دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو تو بخوشی جاؤ لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے۔ اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لیے بلایا ہے مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دے جائیں گے تم کو جھٹلائیں گے۔ تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے اور جب تمہارے مقابلہ کے لئے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔" (طبری جلد ہفتم)

کیا کوفہ میں حاکم ہوتے ہوئے جانا خروج و بغاوت ہے اور حاکم کو قتل کرنے کے بعد وہاں جانا بغاوت نہیں؟ کیا امیر برحق کے مقرر کردہ حاکم کو قتل کرنا اور شہر سے نکالنا بغاوت و خروج نہیں؟ الغرض جن حضرات نے بھی منع کیا، کوفہ جانے سے منع کیا اور اس بنا پر منع کیا کہ آپ کے پاس سر و سامان نہیں، فوج نہیں۔ آپ رخصت پر عمل کریں۔ کوفیوں پر مت اعتماد کریں۔ وہ لائق اعتماد نہیں، بے وفا، غدار ہیں۔

یہ دونوں روایتیں طبری کی ہیں جنہیں آپ نے شیعہ کہہ کر ناقابلِ قبول قرار دیا ہے لیکن یہ حُبِ یزید کے خمار کی ترنگ ہے جیسا کہ ہم پہلے امام ذہبی کے قول سے ثابت کر آئے ہیں کہ ان پر شیعہ ہونے کا الزام جھوٹا ہے اور انہیں ناقابل اعتماد کہنا غلط ہے۔ وہ کبار ائمہ معتمدین میں سے ہیں لہٰذا ان کی روایات محض اس بنا پر نہیں رد کی جاسکتی ہیں کہ یہ طبری نے بیان کیا ہے لہٰذا ناقابلِ قبول نہیں۔ اب جب کہ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ یزید کی حکومت شرعاً درست نہ تھی۔ ظالمانہ تسلط تھا۔ اس کے بالمقابل حضرت سید الشہداء حق پر تھے، تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت امام اور رفقائے امام کے ساتھ یزیدیوں نے جو کچھ کیا۔ ظلم و عدوان تھا اور یہ لوگ شہید فی سبیل اللہ تھے۔

امروہوی صاحب نے شہادت کے سلسلہ میں بہت سی مسلّم الثبوت جزئیات سے محض قیاسات فاسدہ سے انکار کر دیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو کسی آئندہ ملاقات میں ہو گی۔ اصولی طور پر اتنا عرض ہے کہ تاریخی واقعات کو قیاسات سے نہیں ثابت کیا جاتا

بلکہ روایات سے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعات ایسے رونما ہو جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیسے کیا ہو گیا۔ تقدیر کا ہمیشہ تدبیر کے موافق ہونا ضروری نہیں پھر ہر شخص کے قیاس کا صائب ہونا لازم نہیں اگر تاریخی واقعات کو اپنے قیاسات سے ثابت کرنے کی بدعت پر عمل کریں گے تو بہت سے مسلّم الثبوت واقعات کے ثبوت ہی میں دشواری ہو جائے گی۔

کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ مرکز توحید کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے جائیں کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی پھینکی ہوئی ننھی ننھی کنکریوں سے ابرہۃ الاثرم کا لشکر پامال ہو جائے؟ کیا ہر شخص کے عقل میں آنے کی بات ہے کہ خاتم النبیین کا چچا ابو لہب کافر مرے مگر ان کے ثبوت میں ٹھوس روایات موجود ہیں لہٰذا کسی کی عقل میں آئے یا نہ آئے ماننا پڑے گا مثال کے طور پہ آپ نے محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ "امام عالی مقام پہ تین دن تک پانی بند نہیں کیا گیا" اپنا یہ قیاس پیش کیا ہے۔

"امام عالی مقام مکۃ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو چلے ہیں اور راستے میں تیس منزلیں ہیں لہٰذا امام دس محرم کو کربلا میں جلوہ فرما ہوئے اسی دن شہید ہو گئے نہ تین دن کربلا میں قیام رہا نہ تین دن پانی بند رہا"

امروہوی صاحب نے بجائے آٹھ کے دس ذی الحجہ کی روانگی پہ قیاس پیش کیا ہے

"کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج چھوڑ کر کوفہ چل دیتے ایسی کیا جلدی تھی"

امروہوی صاحب نے ایسی جذباتی دلیل پیش کی ہے کہ عوام اسے فوراً قبول کرینگے اہل علم خوب جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام حج بارہا ادا فرما چکے تھے۔ حج فرض ذمہ میں نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا بھی فرماتے تو بھی نفل ہوتا۔ دوسری طرف کوفیوں نے یزیدی استبداد کے ازالہ کے لئے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا۔ ایسی صورت میں ازالہ منکر فرض تھا۔ منیۃ المصلی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نفل پہ فرض کی ادائیگی کو مقدم رکھیں گے۔ اگر حضرت امام نے اس فرض کی اہم ادائیگی کے لئے ایک نفل ترک کر دیا تو اس میں کیا گناہ لازم آیا۔ پھر یہ کہ امروہوی صاحب بھی یہ کہتے ہیں۔

"محسن بن سعد لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یزید کی بیعت لینا اس کا مطمحِ نظر تھا۔"

ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تشنگی سے جاں بلب ہو کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو تڑپتے بلکتے دیکھ کر عزیمت چھوڑ کر رخصت پہ عمل فرمالیں۔

اسی طرح آپ نے بڑی طولانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ

"مکہ سے کربلا کی تیس منزلیں ہیں اور دو منزلہ اور سہ منزلہ کسی طرح ممکن نہیں لہٰذا ایک ایک دن میں ایک ایک منزل طے کرتے ہوئے تیس دن میں تیس منزلیں طے کر کے دسویں محرم کو کربلا پہنچے۔"

واقعہ یہ ہے کہ عقل پہ محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی علاج نہیں۔ پہلی منزل بستان ابن عامر چوبیس میل ہے دسویں ذی الحجہ کو حج کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کسی طرح چوبیس میل طے نہیں کر سکتا امروہوی صاحب کو کیا خبر کہ دسویں ذی الحجہ کو کیا کیا مراسم ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر منیٰ آنا ہے جمرۃ العقبہ پہ کنکری مارنا ہے کنکری مار کر حجامت بنوانا ہے۔ قربانی کرنا ہے پھر مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت کرنا ہے پھر صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے کیا کسی بھی عقل مند آدمی کے سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر منیٰ آئے وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ معظمہ جائے وہاں کے رسم ادا کرے اتنا وقت بچے گا کہ حسینی قافلہ چوبیس میل کی مسافت طے کر کے بستان ابن عامر پہنچ سکے یقیناً ایسا ممکن نہیں لہٰذا امروہوی صاحب کی تحقیق کی بنا پہ یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ ذی الحجہ کو مکہ سے چلے اور گیارہ کو کربلا جلوہ فرما ہوئے پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی؟

دوسرے یہ کہ گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات میں سے ہے حج میں اگر نفل ہو گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف ترک نفل لازم آتا اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی چھوڑنے میں ترک واجب لازم

آئے گا یہ کہاں کی عقل مندی ہو گی کہ ترک نفل سے ترک واجب کے وبال میں مبتلا ہوں لہٰذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرھویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور تیرہ محرم کو کربلا میں پہنچیں۔

امروہوی صاحب آپ نے دیکھا! آپ بندی کی روایت کو غلط ثابت کرنے کیلئے آپ نے جو قواعد مستخرج فرمائے وہ خود آپ کے مسلمات کو ڈھا رہے ہیں۔ روایت پذیری چھوڑ کر درایت پرستی اختیار کرنے سے آدمی یونہی دلدلوں میں پھنستا ہے۔

ناظرین کے اطمینان کے لیے امروہوی صاحب کی ایک درایت کی قلعی کھول دی گئی۔ اس طرح دیگر درایتوں کو قیاس کرلیں۔ بشرط فرصت انشاء اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کی تمام درایتوں پر بھی مفصل گفتگو ہوگی۔ اس تفصیلی گفتگو کے بعد سوالات مندرجہ بالا کے جوابات یہ ہیں۔

۱۔ یقیناً بلاشبہ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق ہے۔ پھر عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یہی خلیفہ برحق تھے۔ حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کی پہلو تہی کرنے کا الزام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں۔

۲۔ یزید پلید اپنے فسق و فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بنا پر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر آئمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

۳۔ اس کے بالمقابل ریحانۂ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقاء کا قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(مولانا شریف الحق اعظمی)

فتنۂ خوارج

فتنوں کی اندھیاریوں میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم وہ روشن چراغ تھے جو آخری وقت تک یکساں نور افشاں رہے۔ تاریکیاں سمٹ سمٹ کر ان پر حملہ کرتیں مگر ناکام رہتیں، ظلمت پسند بڑھ بڑھ کر ان پر پھونکیں مارتے لیکن چراغِ مرتضوی کی لَو میں تھرتھراہٹ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کی آخری منزل تک اللہ کے دین اور اس کے رسول خاتم کی سنت پر مستقیم رہے اور ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی —— ان کی ذات کو اللہ عزوجل نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آزمائش گاہ بنایا۔ ایک گروہ نے ان سے اتنی نفرت کی کہ انہیں کافر ٹھہرا دیا اور دوسرے گروہ نے اتنی محبت کی کہ خدا ٹھہرا دیا۔ یہ دونوں ہی گروہ حق سے دور اور دونوں ہی کے دل حُبِ دنیا سے معمور تھے۔

"علی مرتضیٰ کو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی یاد تھی۔ فیک مثل من عیسیٰ تم میں عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مشابہت ہے۔ یہود نے ان سے نفرت کی حتیٰ کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا نصاریٰ نے محبت میں ان کو وہ مرتبہ دیا جو اُن کا نہ تھا"

"سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ میری ذات میں دو طرح کے لوگ تباہ ہوں گے۔ ایک وہ جو میری محبت میں افراط سے کام لے کر مجھے وہ مرتبہ عطا کرے گا جو مجھے حاصل نہیں اور دوسرا وہ جسے میری عداوت مجھ پر بہتان باندھنے پر آمادہ کرے گی۔ (احمد بن حنبل)

اس حدیث کے مصداق بلاشبہ روافض و خوارج ہیں۔ اول الذکر نے محبت اہلبیت کو اور ثانی الذکر نے ان الحکم الا للہ کو آڑ بنایا۔ پھر دونوں نے اس آڑ میں وہ کارنامے انجام

دینے کہ دین وتقویٰ، ایمان واخلاص درد وکرب سے چیخ اٹھے۔

روافض نے علی مرتضیٰ کو معصوم قرار دے کر منصب نبوت پر بٹھایا اور اپنی خانہ ساز محبت کے نشہ سے مخمور ہو کر ان کے ممدوحوں کو خارج از اسلام کر دیا۔ حتیٰ کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام تک میں اصول کفر پائے جانے کا دعویٰ کر دیا۔ اور خوارج نے دیگر صحابہ کے ساتھ بغض علی کو اپنا شعار بنایا اور اسے اس درجہ بڑھایا کہ ان کے نزدیک تکفیر علی علامت ایمان اور تحسین علی علامت کفر قرار پائی۔ حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ بات بھی یاد تھی کہ

"مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانے اگائے اور جاندار مخلوق پیدا کی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔ مومن مجھ سے محبت کرے گا اور منافق مجھ سے بغض رکھے گا"

بغض کی انتہا یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کے قرۃ العین حسین علیہ السلام کو جام شہادت نوش فرمائے صدیاں گزر گئیں مگر خروج کے ناہنجار فرزند آج بھی امام عالی مقام کو دنیا پرست اور جاہ پرست قرار دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالے جا رہے ہیں۔

خوارج کی ابتداً

خوارج کا ظہور اگرچہ جنگ صفین میں ہوا اس لیے مؤرخین ان کی ابتدا وہیں سے کرتے ہیں مگر حقیقت میں ان کی بنیاد عہد نبوت میں پڑ گئی تھی جب کہ ان کے زعیم اول نے حب دنیا سے مخمور ہو کر عادلوں کے عادل پر بے انصافی کا الزام لگایا تھا۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ عبداللہ ذوالخویصرہ تمیمی آیا کہنے لگا۔ یارسول اللہ عدل فرمایئے۔ حضور نے فرمایا تیری خرابی ہو میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا حضرت فاروق اعظم نے عرض کی حضور اجازت دیں اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا رہنے دو۔ اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو انکی نمازوں

اور روزوں کے مقابل حقیر سمجھو گے۔ یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نجاست اور خون سے آلود ہوئے بغیر نکل جاتا ہے۔ اس جماعت کی علامت ایک ایسا شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا ایک پستان عورت کے پستان کی طرح ہو گا یہ جماعت اس وقت نکلے گی جب لوگ دو جماعتوں میں بٹے ہوں گے۔ ابو سعید خدری نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں میں نے یہ بات حضور سے سنی اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی نے جب ان لوگوں کو قتل کیا تو مقتولین میں سے وہ شخص ٹھیک اسی صفت کو نکال کر لایا گیا جس کی نشاندہی سرکار نے فرمائی تھی اور اسی شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ومنهم من یلمزک فی الصدقات الآیہ۔ (بخاری)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں غزوہ حنین کے بعد حضور نے اشراف عرب کو عطیات دیئے تو ایک شخص نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں عدل نہیں کیا گیا حضور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو چہرہ اقدس تمتما اٹھا یہاں تک کہ سرخ ہوگیا فرمایا جب اللہ و رسول ہی عدل نہ کرے تو کون کرے؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔ (مسلم)

۳۔ جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں حنین سے واپسی میں بمقام جعرانہ ایک شخص بحضور نبوی آیا۔ بایں حال کہ بلال کی چادر میں چاندی تھی اور حضور اقدس اس سے لے کر لوگوں کو دے رہے تھے۔ اس شخص نے کہا اے محمد عدل کرو۔ حضور نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور اجازت دیں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا معاذ اللہ! تب لوگ یہ کہیں گے میں اپنے ساتھیوں کو قتل کروں گا۔ بلاشبہ یہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں جو ان کے حنجرے سے آگے نہیں بڑھتا۔ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔ (مسلم)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ خوارج کا زعیم اول جس کی نسل سے یہ گروہ ظہور کرنے والا

تھا۔ عہدِ رسالت میں موجود تھا۔ اب ان کے ظہور کے متعلق دو ایک حدیث ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ عنقریب ایک جماعت نکلے گی لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ پس ایسے لوگوں سے تم جہاں ملو انہیں قتل کرو۔ ان کے قاتلوں کے لیے قیامت میں بڑا اجر ہے۔ (بخاری) (خلاصہ)

۵۔ سہل بن حنیف سے پوچھا گیا آپ نے خوارج کے متعلق حضور سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا حضور کو میں نے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنا۔ یہاں سے ایک قوم خروج کرے گی وہ اسلام سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ (بخاری) (خلاصہ)

جنگ صفین میں حضرت معاویہ و حضرت علی کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں یہ تھا کہ "ہم اللہ کے حکم اور اس کی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے سوا کوئی ہمیں جمع کرنے والا نہیں، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان فاتحہ سے خاتمہ تک فیصلہ کن ہے، جس کو اللہ کی کتاب نے جاری و نافذ کیا اسے ہم جاری و نافذ کریں گے اور جس چیز کو اس نے مٹایا ہم اسے مٹا دیں گے۔ پس حکمین (ابوموسیٰ اشعری و عمرو بن العاص) جو بات کتاب اللہ میں پالیں اس پر عمل کریں گے اگر وہاں نہ ملے تو پھر رسول کی سنت عادلہ ان کے فیصلہ و حکم کا مرجع ہوگی۔ (کامل ابن اثیر)

لیکن ابھی اس وثیقہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ خوارج نے اس کا انکار کر دیا اور لا حکم الا للہ کا نعرہ لگایا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فریقین کے جھگڑے کو طے کرنے کے لیے انہیں خوارج نے تحکیم کو ماننے اور عراقیوں کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیے جانے پر مجبور کیا تھا اور جب معاملہ طے ہو گیا جو کتاب و سنت کی رو سے بالکل جائز تھا تو انہیں خوارج نے اپنی حماقت اور شرارت سے لا حکم الا للہ کا نعرہ لگا کر تحکیم کو کفر قرار دے دیا کہ

"جب حکم اور فیصلہ صرف اللہ کا حق ہے تو پھر عمرو بن عاص اور حضرت ابوموسیٰ

کا حکم بننا یا بنایا جانا ناجائز ہے "

یہ استدلال اتنا نامعقول اور احمقانہ ہے کہ دین کی پوری عمارت زمین سے آلگتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست انسانوں سے مخاطب ہو کر نہ حکم دیتا ہے اور نہ اس کی اتاری ہوئی کتاب وجود ناطق ہے کہ خود تکلم کرے اور اپنا کوئی حکم یا فیصلہ سنائے جب حال یہ ہے تو امر و نہی و قانون و آئین کا یہ دفتر صرف زینت طاق ہی بن سکتا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ نے ان کے اس استدلال کے لغو اور باطل ہونے کے متعلق انہیں بہت سمجھایا۔ آپ نے فرمایا۔

"ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو بنایا ہے اور یہ قرآن لکھی ہوئی کتاب ہے جو خود نہیں بولتی بلکہ اس کا تکلم انسان ہی کرتے ہیں "

پھر آپ نے ایک بڑے سائز کا قرآن مجید منگایا۔

فجعل يضرب بيده ويقول ايها المصحف حدث الناس — اور اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے مصحف لوگوں سے باتیں کر لے۔

(فتح الباری بحوالہ احمد و طبری)

سیدنا علی مرتضیٰ کے ان جملوں اور عملی تشریح نے خوارج کے باطل استدلال کی حقیقت ان پر کھول دی مگر اس کے باوجود صفین سے واپسی پر بارہ ہزار خارجی حروراء میں خیمہ زن ہو گئے اور انہوں نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر القتال اور عبداللہ بن الکوا الیشکری کو امیر الصلوٰۃ مقرر کر لیا۔ جناب امیر نے اس موقع پر بھی انہیں شرارت سے باز رہنے کی تلقین کی اور ان سے پوچھا، تمہارا لیڈر کون ہے ؟

" ابن الکوا "

"کس چیز نے تمہیں ہمارے خلاف خروج پر مجبور کیا ؟"

"صفین میں تحکیم نے "

"تحکیم کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اس کے خلاف جائیں گے تو ہم ان کے حکم اور فیصلہ سے بری ہیں "

اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے تحکیم کے لیے مدت کیوں مقرر کی فوراً فیصلہ کیوں نہ کرایا۔

اس لیے کہ ناواقف علم حاصل کر لے اور عالم ثبات و استقلال حاصل کر لے اور شاید اس مدت میں اللہ اس امت کی اصلاح فرما دے۔

یہاں باتیں ختم ہوگئیں اور خوارج آپ کے حکم کے مطابق کوفہ میں آگئے لیکن ان کا مقصد کسی بات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تو تھا نہیں۔ قرآن ان کے حلقوم سے اترتا تھا نہیں کہ اس کی حقیقت کو پا سکے، کوفہ میں آکر پھر انہوں نے وہی باتیں دہرانی شروع کر دیں جن کے تشفی بخش جواب دیئے جا چکے ہیں ——— جب سیدنا علی مرتضیٰ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو مقام تحکیم پر بھیجنا چاہا تو خارجی پھر وہی نعرہ بول اٹھے لا حکم الا للہ۔ ان کے ایک لیڈر نے کہا، حکم کا حق صرف اللہ کو ہے آپ اپنی خطا سے توبہ کیجئے۔ وثیقہ چاک کیجئے اور جنگ شروع کر دیجئے۔ حضرت علی نے جواب دیا، جب ہم معاہدہ کر چکے ہیں تو پھر اسے کیسے توڑ دیں، اس پہ ایک خارجی نے کہا وہ گناہ تھا اس سے توبہ لازمی ہے۔ اور اگر آپ تحکیم سے باز نہ آئے تو ہم آپ سے بوجہ اللہ جنگ کریں گے اس موقع پر آپ نے فرمایا۔

> "تیری خرابی ہو تو کس قدر بدبخت ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ ہوائیں تجھ پر خاک ڈال رہی ہیں" ——— اور فرمایا "شیطان نے تمہیں حیران اور خواہش کا بندہ کر دیا ہے، اللہ بزرگ و برتر سے ڈرو۔ تم جس دنیا کے لیے جنگ کر رہے ہو وہ تمہارے لیے بہتر نہیں" (طبری)

الغرض خوارج فتنہ انگیزی میں آگے ہی بڑھتے گئے یہاں تک کہ مسجد میں عین خطبہ کی حالت میں شر انگیزی کرنے لگے آخر کار یہ ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے خروج کا فیصلہ کیا اور نہروان کے پل کو اپنا مستقر تجویز کیا اور لڑتے بھڑتے نہروان پہنچ گئے۔

خوارج کی جہالت شیر پرسیت: یہاں ان کی شقاوت قلبی کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے بصرہ کے خارجی نہروان کے قریب پہنچ چکے تھے

کہ ان کی جماعت کو ایک شخص نظر آیا جو گدھے کو ہانکتا ہوا لا رہا تھا اور اس گدھے پر ایک خاتون سوار تھیں، خارجیوں نے انہیں پکارا، وہ گھبرا گئے۔ قریب آئے تو پوچھا تم کون ہو۔

انہوں نے جواب دیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی خباب کا بیٹا عبداللہ ہوں۔

ہم نے تمہیں ڈرا دیا ڈرو نہیں تمہیں امن ہے۔ اچھا ہمیں اپنے والد کی ایسی بات سناؤ جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو اور ہمیں اس سے فائدہ پہنچے۔

مجھ سے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ انسان کا قلب مرجائے گا وہ شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر اور صبح کو کافر ہوگا اور شام کو مومن۔

کیا ہم نے تم سے ایسی حدیث پوچھی تھی، اچھا بتاؤ ابوبکر و عمر کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اور عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

وہ اول و آخر حق پر تھے۔

اچھا علی کے بارے میں کیا کہتے ہو، تحکیم سے پہلے اور تحکیم کے بعد۔

وہ تم سے زیادہ اللہ کا علم رکھتے ہیں۔ تم سے زیادہ دین کے محافظ اور بصیرت والے ہیں۔

یہ سن کر خوارج نے کہا، واللہ ہم تم کو اس طرح قتل کریں گے کہ اب تک کسی کو نہ کیا ہوگا اس کے بعد حضرت عبداللہ کو گھیر کر گرفتار کیا اور ان کی بیوی کو جو حاملہ تھیں اور وضع حمل کا زمانہ قریب تھا لیے ہوئے ایک درخت کے نیچے آئے اور حضرت عبداللہ کو پچھاڑ کر ذبح کر ڈالا پھر ان کی بیوی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خاتون نے کہا۔ میں عورت ہوں کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ لیکن بے رحموں نے ان کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ ان کی جان لی اور بچہ کو بھی جو ان کے پیٹ میں تھا مار ڈالا" (ابن اثیر)

اس ایک واقعہ سے ہی خوارج کی شقاوت و قساوت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے اور تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔ غرضیکہ خوارج بدستور فساد انگیزی میں مشغول رہے۔ انہوں نے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا اور حق پرست مسلمانوں کی جان، مال، آبرو ان کی دست درازیوں سے خطرے میں پڑ گئی۔ ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ خوارج کے فتنہ کو دبایا جائے سیدنا علی مرتضیٰ کی نگاہِ حق بین سے یہ تقاضا مخفی نہیں رہ سکتا تھا اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی روایت واضح اتنی ہے کہ اس پر کسی تاریخی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اور یہاں صرف اسی روایت کے خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

"زید بن وہب کہتے ہیں میں حضرت علی کی فوج میں تھا جو خود ان کے ساتھ خوارج کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ حضرت علی نے فوج کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے لوگو! حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی ہو گی اس کی قرأت نماز اور روزوں کے مقابل تم اپنی نمازوں روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ ان کے لیے نفع بخش ہے حالانکہ وہ ان پر وبال ہو گا وہ اسلام سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح شکار کو چھید کر تیر نکل جاتا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے فوج ان سے مقابلہ کرے گی وہ صرف اسی عمل پر بھروسہ کر کے دوسرے اعمال سے بے پرواہ ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ وہی جماعت ہے جس کی نشاندہی حضور نے فرمائی تھی کیونکہ انہوں نے ناحق خون بہایا اور لوگوں کے اموال میں غارت گری کی ہے پس اللہ کا نام لے کر چلو۔ (مسلم شریف)

الغرض سیدنا علی مرتضیٰ کے شرارت اور جنگ سے باز آنے کی دعوت دی مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور نتیجہ یہ چند کے سوا تمام خارجی ڈھیر تھے۔ مسلم شریف میں ہے کہ:

"حضرت علی کی فوج نے انہیں نیزوں پر رکھ لیا۔ خوارج یکے بعد دیگرے قتل ہوئے اور حضرت علی کی فوج کے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔"

جنگ ختم ہونے کے بعد ذی الثدیہ کی تلاش ہوئی۔ آخر لاشوں کے ڈھیر میں وہ پڑا ہوا ملا۔ حضرت علی نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسول نے ہم تک حق پہنچایا۔

یہ تھے خارجی اور یہ ہے خارجیت جس کا نہایت ہی مختصر سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اگرچہ نہروان کے میدان میں خوارج کے اصل اور ان کے لیڈر مارے گئے لیکن جو فتنہ ایک بار سر اٹھا لیتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ جو نہروان سے بچ گئے مختلف شہروں میں جا بسے اور وہاں انہوں نے اپنے باطل استدلات کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس طرح خارجیت ایک مستقل مذہب بن گیا۔ (علامہ محمود احمد رضوی)

یزید اور اس کا کردار

حدیث پاک کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ شریف" ہے، اسی کتاب کا فارسی ترجمہ مختصر شرح کے ساتھ اشعۃ اللمعات کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مترجم اور شارح حضرت شیخ دہلوی کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے اشعۃ اللمعات کی چوتھی جلد کے "باب مناقب القریش و ذکر القبائل" کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے یزید پر روشنی ڈالی ہے پہلے اس حدیث کو پڑھیئے پھر ان کی رائے پر مطالعہ کیجئے۔

حدیث۔ عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم گفت عمران مرد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ وھو یکرہ ثلاثۃ احیاء

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وصال فرمایا کہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے ایک قبیلہ

وحالانکہ آنحضرت ناخوش میداشت سہ قبیلہ را ثقیف کہ حجاج بن یوسف ظالم مشہور از آں جا است۔ و بنی حنیفہ۔ کہ مسلمہ کذاب از آں جا بود۔ و بنی امیہ کہ عبید اللہ بن زیاد کہ مباشر قتل امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما شہید از ایشاں بود کذا قیل۔

ثقیف ہے جس قبیلہ میں مشہور ظالم حجاج بن یوسف گزرا ہے۔ دوسرا قبیلہ بنی حنیفہ ہے جس قبیلہ کا مسیلمہ کذاب فرد تھا اور تیسرا بنی امیہ کا قبیلہ ہے جس قبیلہ سے اس ابن زیاد کا تعلق ہے جو امام شہید حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کا بانی و فاعل تھا۔

لوگوں نے حضور کے ان تینوں قبیلوں کے ناپسند فرمانے کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ مذکورہ بالا تینوں افراد ایسے گذرے ہیں جن کے سیاہ کارناموں کی وجہ سے حضور ان قبائل سے ناخوش تھے یہ حضرات حضور کے وقت نہ تھے مگر حضور کو ان کے کردار کا علم اللہ کی طرف سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ کے قلب مبارک پر یہ قبائل گراں تھے۔ اس سے حضور کی غیب دانی کا ثبوت بہم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو بنی امیہ کی ناپسندیدگی کی علت محض ابن زیاد کو قرار دینی پسند نہیں ہے چنانچہ اس توجیہ پر اس طرح تنقید فرماتے ہیں :۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تنقید

وعجب است از ایں قائل کہ یزید را نہ گفت کہ امیر عبید اللہ ابن زیاد بود دہر چہ کرد بامر دے و رضائے وے کرد باقی بنی امیہ ہم در کارہائے خود تقصیر نہ کردہ اند یزید و عبید اللہ را چہ گویند و در حدیث آمدہ است کہ آنحضرت در خواب دید کہ بوزنہ بابر منبر شریف وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازی می کنند وتعبیر آں بر بنی امیہ کردہ دیگر چیزہا بسیار است چہ گویند۔

اس قائل کے حال پر تعجب ہے کہ یزید کا نام نہ لیا حالانکہ ابن زیاد کا بھی امیر یزید ہی تھا۔ ابن زیاد نے جو کچھ بھی کیا یزید کے حکم اور اس کی رضا سے کیا۔ ایک ابن زیاد اور یزید ہی کیا باقی بنی امیہ نے بھی اپنے سیاہ کارناموں میں کوئی کمی نہیں کی ہے صرف یزید و ابن زیاد کو کیا کہا جائے دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم نے خواب دیکھا کہ آپ کے منبر شریف پر بندر کھیل رہے ہیں آپ نے اس خواب کی تعبیر بنی امیہ ہی کو

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب) قرار دیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں بنی امیہ کے متعلق حدیثوں میں ہیں اس کے متعلق کیا کہا جائے۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت شیخ نے یزید اور دوسرے اموی حضرات کے حالات کس تاسف و اندوہ کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور بنی امیہ کے کردار کے متعلق دوسری حدیثوں کی جانب "دیگر چیز ہا بسیار است" فرما کر اشارہ فرمایا ہے۔ کیا کسی متقی اور عادل خلیفہ برحق کے خلاف ایسی شہادتیں موجود ہیں؟ وہ بھی صرف مؤرخ محض کی گواہی نہیں ہے۔ یہ تنقید محض تاریخی زیب داستان کی بنیاد پر بھی نہیں ہے بلکہ حدیث کی جملہ احتیاطوں کی بنیاد پر مبنی ہے اس کا قلم چل رہا ہے جو محقق علی الاطلاق ہے جو فن حدیث میں بلند پایہ ہے جس کی علمی نگاہ سے علم، کلام، فقہ، عقائد، حدیث اور کوئی بھی فن اوجھل نہیں، پھر مذکورہ بالا احادیث کے مخرج بھی امام ترمذی ہیں جنہوں نے اپنی جامع ترمذی میں اس کو نقل کیا۔

یزید علامہ جلال الدین سیوطی کی نگاہ میں

شیخ دہلوی کے بعد محدث اعظم مفسر اکبر علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" پڑھیے، دیکھیے کہ یزید کی کیا بھیانک شکل نظر آرہی ہے۔ کیا ایسے جلال الملۃ والدین کی جلیل القدر شہادت کے ہوتے کسی کے زور قلم سے یزید کا تقویٰ اور اس کی عدالت ثابت ہو سکتی ہے خود فیصلہ کیجئے۔

واخرج الرویانی فی مسندہ عن ابی الدرداء سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔	رویانی نے حضرت ابو درداء سے اپنی مسند میں تخریج کی ہے کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ میری سنت کا بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا جس کو لوگ یزید کہا کریں گے۔

کیا متقی اور عادل اسی کو کہتے ہیں جو سنت رسول کو بدل ڈالے۔ تقویٰ و عدالت تغیر و تبدیل سنت کا نام ہے؟

وقال نوفل ابی الفرات کنت عند عمر بن عبدالعزیز	نوفل بن ابو الفرات نے فرمایا کہ میں عمر بن عبدالعزیز

فذكر رجل يزيد فقال امير المؤمنين يزيد ابن معاويه - فقال تقول امير المؤمنين و امر به فضرب عشرين سوطاً۔

کے پاس حاضر تھا پس ایک شخص نے یزید کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو امیرالمؤمنین یزید ابن معاویہ کہا۔ یہ سننا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کا پارہ گرم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تو یزید کو امیرالمؤمنین کہتا ہے اور پھر آپ کے حکم سے اس قائل کو بیس کوڑے مارے گئے۔

حضرات! حضرت عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ ہی کے چشم و چراغ ہیں مگر "طین" پر دین غالب ہے تو یزید کو امیرالمؤمنین کہنا بھی برداشت نہ کر سکے اور تعزیراً بیس کوڑوں کی سزا دی۔ اس دَور بے دینی میں یزید کو امیرالمؤمنین خلیفہ برحق، متقی اور عادل کہنے والے کو کون سزا دے۔ کاش آج بھی وہ دَور ہوتا تو نہ معلوم ان الفاظ کی توہین کے سلسلہ میں کتنے کوڑے لگوائے جاتے۔ اسلام کے اس مجدد اوّل نے عباسی صاحب کے ممدوح کی قدر نہ کی۔ نہ معلوم ان کو کیا کہیں گے جس طرح یزید کے مبدل سنت ہونے کی پیشین گوئی لسانِ نبوت سے ثابت ہے اسی طرح عمر بن عبدالعزیز کے مجدد و محی سنت ہونے کی پیشین گوئی بھی موجود ہے۔ یہ سب غیب دانی رسولِ پاک کی واضح علامتیں ہیں۔

حرہ کے دلدوز واقعات کا بیان کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:-

وكان سبب خلع اهل المدينة له - ان يزيد اسرف في المعاصي - واخرج الواقدي من طرق ان عبدالله بن حنظلة بن غسيل قال والله ما خرجنا على يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء انه رجل ينكح امهات الاولاد والبنات والاخوات ويشرب الخمر ويدع الصلوٰة قال الذهبي ولما فعل يزيد باهل المدينة ما فعل مع شربه

اہل مدینہ کے خروج و خلع حکومت کا سبب یہ تھا کہ یزید بے شک و شبہ گناہوں میں حد سے زیادہ بڑھ جانیوالا بن گیا تھا چنانچہ واقدی نے چند طریقوں سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت حنظلہ کے بیٹے حضرت عبداللہ نے بقسم فرمایا کہ یزید پر ہم لوگوں نے اس وقت خروج کیا جب ہمیں خوف ہو گیا کہ اس کی معصیت کوشیوں کی وجہ سے ہم لوگوں پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے گا وہ ایسا گناہ کا مجسمہ بن گیا کہ

الخمر واتيامه المنكرات اشتد	ماؤں، بیٹیوں، بہنوں سے نکاح کرتا اور شراب
عليه الناس وخرج عليه	پیتا اور نماز نہیں پڑھتا۔ علامہ ذہبی نے فرمایا
غير واحد ولم يبارك الله	کہ جب یزید نے اہلِ مدینہ کے ساتھ شراب نوشی
في عمره - الخ	اور ارتکابِ منکرات کے علاوہ برا سلوک کیا اس

پر ہم لوگوں میں جوش پیدا ہوگیا اور اس کے خلاف بہتوں نے خروج کیا اور قدرت نے پھر اس کی زندگی و حیات سے برکت اٹھالی الخ۔

الغرض اس عبارت کو بغور پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کیا ایسے کردار کا انسان متقی ہوگا۔ عادل ہوگا، خلیفہ برحق ہوگا۔ کون سے منکرات ہیں جو اس میں نہ تھے۔ اور کونسی نیکیاں اور خوبیاں ہیں جو اس میں تھیں۔ ایسوں کا مداح کیسا اور کیا ہوگا۔

کیا اس کی عدالت و اتقا کے لیے کوئی دوسری مخصوص شریعت تھی جو اُس رسول و مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے جس کا اہلِ ایمان کس طرح تذکرہ کریں، وہ مدینہ طیبہ اور اہلِ مدینہ جن کے متعلق سرکار نے فرمایا:-

من اخاف اهل المدينة اخافه الله	جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا اس کو اللہ تعالے
وعليه لعنة الله والملائكة	ڈرائے گا اور اس بدنصیب پر اللہ تعالیٰ اور جملہ
والناس اجمعين -	فرشتوں اور کل انسانوں کی لعنت ہوگی۔

اس نے صرف ڈرایا ہی نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرام کو سرزمینِ طیبہ میں حضور کے روبرو قتل کیا اور مدینہ پاک کو لوٹا اور ہزاروں عصمت مآب اسلام کی بیٹیوں کی آبروریزی کی ہے ان کرتوت پہ لعنتوں کی کوئی حد ہوگی!

حرم مکہ شریف جس کی عزت و شرف یہ ہے کہ صرف سرکار کے لیے فتح مکہ کے دن چند ساعتوں کے لیے قتال حلال کیا گیا ورنہ وہاں قتل وخون کا سوچنا کیسا بلکہ جوں چیلیک کو مارنے کی اجازت نہیں، وحشی پناہ گیر جانور کے آرام و سکون میں خلل ڈالنے کی اباحت نہیں۔

مگر اس ننگ اسلام بدنصیب شقی ازلی یزیدی کا یہ کارنامہ ہے جس نے مدینہ منورہ کی بے حرمتی اور لوٹ کھسوٹ کے بعد مکہ معظمہ کی ہتک حرمت کی خاطر لشکر کشی کرائی۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے جوش میں اس نے خانہ کعبہ کا بھی کچھ پاس ادب ملحوظ نہ رکھا، علامہ سیوطی لکھتے ہیں :۔

واتوا مکۃ فحاصروا ابن الزبیر و قاتلوہ ورموہ بالمنجنیق فی صفر سنۃ اربع وستین واحترقت من شرارۃ نیرانہم استار الکعبۃ وسقفہا وقرنا الکبش الذی فدی اللہ بہ اسماعیل وکانا فی السقف واہلک اللہ یزید فی نصف شہر ربیع الاول من ہذا العام۔

یزیدی لشکر مدینہ طیبہ کی تاراجی کے بعد مکہ معظمہ آیا۔ حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے قتال کیا اور ان پر منجنیق کے ذریعہ آتشبازی کی۔ یہ واقعہ صفر مہینہ ۶۴ھ میں رونما ہوا جس آگ کے شعلوں سے کعبہ کے پردے اور اس کی چھت جل گئی اور اس مینڈھے کی دو سینگھیں بھی جل گئیں جو حضرت اسماعیل کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا تھا اور وہ دونوں سینگیں کعبہ کی چھت میں تھیں، اللہ تعالیٰ نے یزید کو اسی سال ربیع الاول کے نصف مہینہ گزرتے ہی ہلاک فرما دیا۔

دیکھنا یہ ہے یزید کا تقویٰ اور عدالت اور اس کی خلافت حقہ ان حقائق سے آنکھ میچ کر جھوٹ کا طومار باندھنا کس انسان کی سیرت ہوگی اس کا فیصلہ قارئین ہی فرمائیں۔

اولاد رسول سے یزیدی ظلم کا آغاز ہوا خواب گاہ محبوب کبریا تک پہنچا آخر حرم خدا تک آکر منتہی ہوا اور اس انتہائے ظلم کے ساتھ ظلم و عدوان کے عفریت اکبر کا بھی چراغ زندگی بجھ کر خاک میں مل گیا۔ ذرا اس عبارت کو بھی پڑھ لیجئے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

”حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام جب کوفیوں کے مسلسل بلاوے کے خطوط سے مجبور ہو کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ کوفیوں نے بے وفائی شروع کر دی“

فخذلہ اہل الکوفۃ کما ہو شانہم مع ابیہ من قبلہ۔

یعنی کوفیوں نے حضرت کا ساتھ چھوڑ دیا جس طرح کوفہ والوں کا برتاؤ اس کے پہلے حضرت علی کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

فلما رهقہ السلاح عرض علیهم الا ستسلام والرجوع والمضیٰ الی یزید فیضع یدہ فی یدہ فابوا الا قتلوا فقتل وجئی براسہ فی طست حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ و یزید ایضاً۔	جب اسلحۂ جنگی کا سیلاب سامنے آگیا تو حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے صلح و سلامتی کا پیغام پیش کیا اور انقیاد کی دعوت دی۔ (جس کے لیے انہیں لوگوں نے مکہ کے گوشہ عافیت سے آپ کو زحمت تکلیف دی تھی اور یہ منظور نہ ہو تو جہاں سے تشریف لائے تھے وہیں لوٹنے دیں یا یزید تک آزادانہ جانے

دیں تاکہ اسی کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیں گے بیچ میں دلالی کی ضرورت کیا) مگر شرارت کے پتلوں نے آپ کو شہید کرنے کے سوا کسی تجویز کو تسلیم نہیں کیا۔ اور بالآخر آپ شہید کیے گئے اور آپ کا سر پاک ایک طشت میں لایا گیا اور ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ اللہ کی لعنت ہو آپ کے قاتل پر اور ان کے ساتھ ابن زیاد پر اور یزید پلید پر بھی ۔

حضرت امام کی شہادت کے درد انگیز واقعات پر علامہ سیوطی نے جس کرب و اضطراب کا اظہار کیا ہے وہ اس عبارت سے روشن ہے ۔

وفی قتلہ قصة فیها طویل لا یحتمل القلب ذکرها فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔	یعنی آپ کی شہادت کے قصے دراز ہیں جس کے ذکر کو قلب برداشت نہیں کر سکتا۔

قارئین حضرات کے سامنے ان عبارتوں کے صرف اسی پہلو کو رکھتا ہوں کہ عادل، متقی، خلیفہ برحق پر لعنت کی بوچھاڑ ہو سکتی ہے۔ علامہ سیوطی کی نگاہ میں یزید کیا ہے۔ اس کے کردار کیسے ہیں خود غور فرمائیں۔

کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ حضرت امام علیہ السلام نے آخر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی شرط کیوں رکھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امام اس کی بیعت کو صحیح سمجھتے تو اول ہی دن مدینہ میں بیعت کر لیتے۔ مدینہ چھوڑ کر مکہ کیوں آتے۔ پھر یزید کے نائبوں ہی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، بیعت کے لیے یزید کے مخصوص ہاتھ ہی کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے امام کا مقصد صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان غداروں کے سامنے آپ یہ حقیقت رکھنا چاہتے

ہیں کہ میں خود نہیں آیا تم نے اپنی بیعت لینے کے لئے بلوایا یہ کیسا الٹا معاملہ ہے، بلایا کس کام کے لئے اب بلا کر مجھ سے بیعت لے رہا ہے تم اگر اپنی سابق باتوں پہ قائم نہیں ہو تو میری راہ سے الگ ہو جاؤ، میں واپس ہو جاتا ہوں یا میں یزید سے براہ راست بات کر لیتا ہوں اس میں دخل دینا تمہارے منصب سے باہر ہے۔ علامہ سیوطی کی جتنی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، یہ سب تاریخ الخلفاء میں "یزید بن معاویہ ابو خالد الاموی" کے تحت عنوان موجود ہے جو دیکھنا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔

دو عظیم محدثین کی گواہی کے بعد کچھ تاریخی شواہد بھی زیر نظر آجائیں تو اچھا ہے۔

تاریخ ابوالفداء جزو اوّل

عن الحسن البصری انہ قال اربع خصال کن فی معاویہ لو لم یکن فیہ الا واحدۃ لکانت موبقۃ وھی اخذ الخلافۃ بالسیف من غیر مشاورۃ وفی الناس بقایا الصحابہ ذوالفضیلۃ واستخلافہ وابنہ یزید کان سکیرا خمیرا یلبس الحریر ویضرب الطنابیر	حضرت حسن بصری سے حضرت معاویہ کیخلاف جو ان کی تنقید منقول ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ امیر معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں کی ایک ہی ہوتی تو بھی ان کی اخروی ہلاکت کے لئے کافی تھی چہ جائیکہ چار چار ہلاکت آفریں باتیں۔ ان چار میں کی پہلی بات یہ تھی کہ امیر معاویہ نے شوریٰ کے بغیر بزور تلوار خلافت پہ قبضہ کیا

حالانکہ اس وقت صاحب فضیلت کافی صحابہ موجود تھے، دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا دیا حالانکہ یزید بڑا نشہ باز شرابی تھا۔ ریشمی لباس پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا۔

ہمیں اس وقت صرف یزید کی پارسائی، تقویٰ اور طہارت کے خلاف تاریخی ثبوت مہیا کرنا ہے وہ اس عبارت سے واضح ہے کہ وہ پٹا ہی نشہ باز و شرابی تھا، اسے شرعی محرمات کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ حدود الٰہی سے بیباکانہ ٹکراتا تھا۔ اس کی عدالت و اتقاء کی ثنا خوانی کرنے والے اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت حسن بصری نے جو امیر معاویہ کے متعلق

اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے اس پر تنقید کا یہ موقع نہیں ہے اس لیے اس بات کو میں نظر انداز کرتا ہوں۔

تاریخ طبری۔ علامہ طبری نے حضرت ابن زبیر کی اس تقریر کو نقل کیا ہے جو آپ نے مکہ شریف کے اندر امام حسین کی شہادت کے بعد کی تھی اس تقریر کا وہ حصہ جس میں یزید کے مقابلہ میں امام حسین کی شخصیت دکھائی گئی ہے یہ ہے
جلد ششم

واللہ لقد قتلوہ طویلا باللیل قیامہ کثیراً فی النھار صیامہ احق بما ھم فیہ منھم واولی بہ فی الدین و الفضل اما واللہ ما کان یبدل بالقرآن الغناء ولا بالبکاء من خشیۃ اللہ الحداء ولا بالصیام شرب الحرام ولا بالمجالس فی حلق الذکر الرکض فی تطلاب الصید یعرض بیزید فسوف یلقون غیاً۔	اللہ کی قسم یزیدیوں نے اس ذات گرامی کو شہید کیا جس کا حضور الٰہی میں رات کو قیام دراز ہوتا تھا اور جو دن کو کثرت سے روزہ دار رہتے تھے وہ ان شخصیتوں سے زیادہ احق خلافت تھے دین و فضل میں اس سے اولیٰ تھے اللہ کی قسم حضرت حسین قرآن کے بدلے گانے میں مشغول نہ تھے وہ اللہ کے خوف سے رونے کی بجائے لہو میں مشغول نہ تھے اور نہ روزہ کے بدلے شراب نوشی میں محو تھے اور نہ ذکر خدا کی مجلسوں کو چھوڑ کر شکار کے دل دادہ تھے۔

ان باتوں کا تذکرہ کر کے حضرت ابن زبیر نے یزید کی طرف تعریض کی پھر آخر میں فرمایا کہ عنقریب یہ بدبخت جماعت جہنم کی وادی غی میں ڈالی جائے گی۔

اس عبارت کے مطالعہ سے یزید کی خوفناک زندگی اس کی بھیانک اور قبیح سیرت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے حضرت امام قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ یزید کی رات شراب نوشی اور دن شکار بازی میں گزرتے تھے۔ امام حسین کا نصب العین قرآن تھا اور یزید کا مطمح نظر غنا ولغو تھا اس حقیقت کے ہوتے ہوئے کون صاحب دین و دیانت ایسا ہوگا جو یزید کی تقویٰ شعاری کا خطبہ دے گا۔ وقت کی قلت کاموں کی کثرت اور مضمون کے ارسال کی عجلت نے مجبور کیا کہ اتنے ہی پر اکتفا کروں ورنہ یزید کے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی اتنی دراز کہانی ہے جو چند صفحوں میں سموئی نہیں جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(مولانا سید الزماں)

خلافتِ معاویہ و یزید
تاریخ کی روشنی میں

برصغیر میں انگریزوں نے اپنی عیاریوں اور دسیسہ کاریوں سے جب پورے طور پر اپنے قدم جما لئے تو انہیں محسوس ہوا کہ ہندوستانی قومیں اور بالخصوص مسلمان سخت قسم کا مذہبی تشدد رکھنے والے لوگ ہیں۔ اپنی قومی روایات و اسلاف کی حرمت و عزت کی بقا کے لیے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جو ناکام جنگ آزادی لڑی گئی، اسی مذہبی تشدد کا نتیجہ تھی جس میں مسلمان بہت زیادہ پیش پیش تھے۔

اس جنگ پر قابو پا لینے کے بعد انگریزوں کا وہ احساس اور زیادہ قوی ہو گیا اور انہیں فکر ہوئی کہ مسلمانوں کو اسلاف کے نقش قدم سے ہٹا کر اک نئی ڈگر پر لگا دینا چاہیئے تاکہ ان کی مذہبی روح مردہ ہو جائے کیونکہ جب تک اسلاف سے وابستگی رہے گی دین کی خالص روح ان کے دل اور دماغ میں رچی بسی رہے گی اور ان کا ملی جوش ہمیشہ استوار رہے گا جس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ جب بھی ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت ہو گی سر سے کفن باندھ کر پھر میدان میں نکل پڑیں گے۔ ان کے ایمانیات و روحانیات کا کتاب و سنت جو حقیقی سرچشمہ ہے براہ راست اس سے کسی طرح نہیں کٹ سکتے۔ اس لئے ان کا مذہبی جوش ختم کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ اسلاف سے ان کا رشتہ کاٹ دیا جائے اس کام کے لیے بعض لوگ انگریزوں کو نہایت آسانی سے مل گئے۔ انہوں نے ائمہ دین و سلف صالحین کی تصریحات کے خلاف، سوادِ اعظم سے الگ ہو کر دین کو مسخ کرنا شروع کیا۔ قرآنِ کریم کی تفسیر بالرائے میں نہ صرف اقوال ائمہ و آثارِ صحابہ بلکہ احادیث

نبوتیہ کے علی الرغم ایک نئی راہ پیدا کر لی اور انگریزوں کی ... یاری کا کما حقہ حق ادا کیا۔

اگرچہ وہ لوگ اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوئے تاہم ایک طبقہ کی فکری رَو کو دوسری طرف موڑ دیا۔ یہ طبقہ ریسرچ اور تحقیق کا نام لے کر مذہبی اور غیر مذہبی ہر قسم کے مضامین میں حصہ لینے لگا یہاں تک کہ اپنی دماغی اپچ سے قرآن کریم کے جو معانی و مطالب سمجھ لئے اسی کو بنیاد بنا کر عمارت تعمیر کرنا شروع کر دی۔ وہ آئمہ دین اور اساطین ملت جنہوں نے تحصیل علم میں عمریں صرف کر کے اسلام کی روح کو سمجھا اور دین کے چشمہ صافی کو ہر کدورت سے محفوظ رکھا ما انا علیہ و اصحابی کو صراطِ مستقیم پہ ہمیشہ گامزن رہے، ان کے اقوال کی اس طبقہ کے نزدیک کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ اس کا تو خیال ہے کہ احادیث نبویہ کا پورا ذخیرہ دریا بُرد کر دینا چاہیئے (معاذ اللہ) ڈاکٹر غلام جیلانی برق وغیرہ کے لٹریچر دیکھ کر اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس وقت ایک نئی ریسرچ اور تحقیق سامنے آئی ہے اگرچہ اس میں بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث و تاریخ اور اقوال آئمہ و علمائے اسلام کو تحقیقی مواد کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا ذہنیت پوری تحقیق میں جھلک رہی ہے کیونکہ سواد اعظم سے الگ چند مفروضے پہ ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ نئی تحقیق محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" ہے اس کتاب کا مرکزی نقطہ جس پہ پوری کتاب گردش کر رہی ہے۔ یہ ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سبائی گروہ قاتلین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی کوشش و تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا، اس لئے خلافت مکمل نہیں ہوئی اور قدرت کے باوجود قصاص نہیں لیا گیا۔ گویا امت میں جو انتشار پیدا ہوا اس کی ساری ذمہ داری آپ کے سر ہے۔

(۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح محض اس

وجہ سے تھی کہ خلافت کی ڈگمگاتی کشتی ساحل تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی بدرجہ اتم اہل بیت بمقابلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان میں نہیں تھی اور یہ صلح اپنی پارٹی کی کمزوری اور پدر بزرگوار کی وصیت کے پیش نظر تھی۔

یزید کی ولی عہدی جائز اور حق ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا حتیٰ کہ حضرت امام حسین نے بھی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی جیسا کہ آپ کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے۔"

یزید کی بیعت خلافت پر جب تمام لوگ متفق ہو گئے تو چند نفوس کا بیعت سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا، للہذا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت نہ کرنا اور کوفہ کی طرف رُخ کرنا خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت تھی جس کی پاداش میں ان کا ظلماً نہیں بلکہ حق کے ساتھ قتل کیا گیا بنا بریں اس سلسلہ میں یزید، عمر بن سعد وغیرہ وغیرہ بے قصور ہیں اور امام پر کربلا میں پانی بند کرنا وغیرہ مظالم محض افسانہ ہیں۔"

یزید کے کردار کے بارے میں غلط پراپیگنڈہ سے اب تک لوگ غلط فہمی میں مبتلا تھے یہ نہایت پاک طینت، پارسا، عدل گستر، مسلمانوں کا خیر خواہ، بہمہ صفات حسنہ متصف تھا، فتنہ حرہ کے مظالم کا یزید کے دامن تقدس پر کوئی دھبہ نہیں۔"

انہیں مفروضات پر عباسی صاحب نے بزعم خویش ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اور کتاب مؤثر کرنے کے لئے کثرت سے تاریخی شواہد اور استدلال میں زور پیدا کرنے کے لئے علماء اسلام کے اقوال پیش کئے ہیں لیکن ان کی حقیقت کیا ہے؟ کہیں ترجمہ میں خیانت کہیں عبارت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر، کہیں عبارت میں تحریف، کہیں مفید مطلب کی تھوڑی سی عبارت لے لی گئی ہے حالانکہ سیاق و سباق کچھ اور بتا رہا ہے۔ کبھی کسی مورخ کو ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں پھر اسی کو استشہاد میں پیش کرتے ہیں۔ سب سے عجیب چیز یہ ہے کہ طریق استدلال انتہائی لچر ہے ایسی صورت میں جو نتیجہ نکلے گا اس کی حیثیت ظاہر ہے۔ الغرض تاریخی حیثیت سے یہ کتاب بالکل ساقط الاعتبار ہے۔ اس کو تاریخی کارنامہ قطعاً نہیں کہا

جا سکتا۔ ان امور کے بارے میں مناسب موقعہ پر کلام کیا جائے گا۔ فی الحال امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے بارے میں عباسی صاحب کی جو تحقیق ہے اس کے متعلق اجماعی اور صحیح موقف پیش کرنا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مسئلہ پر جس انداز سے آپ نے خامہ فرسائی کی ہے اس کی اجازت کتاب و سنّت دیتی ہے یا نہیں پھر اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟

کتاب کی ابتداء جہاں سے ہوتی ہے اس کا عنوان "حضرت علی کی بیعت اور سبائی پارٹی" ہے اس کے تحت چند سطروں کے بعد آپ لکھتے ہیں۔

"یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید سے بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورین جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً" اور ناحق قتل کرکے سبائی گروہ کے ہاتھ سے قائم کی گئی تھی نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا تھا اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی رہا تھا کیونکہ یہی باغی اور قاتل اور اس گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سباء سبائین کے گروہ میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز رہے، اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا اس لئے بیعت خلافت مکمّل نہ ہو سکی" (انتہی)

اس میں تین باتیں قابل لحاظ ہیں، اوّلاً آپ نے مولائے کائنات کا دامن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق سے داغ دار کیا۔ ثانیاً موصوف کو حد شرعی قائم نہ کرنے کا مجرم ٹھہرایا۔ ثالثاً آپ کی خلافت قائم نہ ہو سکی۔

اللہ اللہ! جن کی طہارت و پاکیزگی، عدالت و نزاہت اور جنتی ہونے کی خداوند قدوس شہادت دے ان کی شان میں لایعنی مفروضے پر یہ جسارت۔

لقد رضی اللہ علی المؤمنین	بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب
اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم	وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے
ما فی قلوبھم ؕ	تھے تو اللہ نے جانا جو انکے دلوں میں ہے۔

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه۔

اور سب سے اگلے، پہلے مہاجر اور انصار اور وہ لوگ جو بھلائی کیساتھ ان کے پیرو ہوئے اللّٰہ ان سے راضی ہوا اور وہ لوگ اللّٰہ سے راضی ہوئے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئك اعظم درجة من الّذين انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللّٰه الحسنی۔

تم میں برابر نہیں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ لوگ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا اور ان سب کیلئے اللّٰہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى اولٰئك عنها مُبْعَدُوْنَ۔

بیشک وہ لوگ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔

متعدد حدیثوں میں سرور کائنات صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہ کرام کی شان میں طعن وتشنیع سے سخت منع فرمایا ہے اور ان کے جنتی ہونے کی خبر دی ہے۔

امام ترمذی نے اپنی صحیح میں عبداللّٰہ بن مغفل سے حدیث نقل کی ہے۔

اللّٰه اللّٰه فی اصحابی لا تتخذوهم من بعدی غرضا فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن آذانی فقد اذی اللّٰه ومن آذی اللّٰه یوشك ان یاخذه۔

(ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۲۶)

تم میرے اصحاب کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے اللّٰہ سے ڈرو ان کو میرے بعد اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کے باعث ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور

جس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور قریب ہے کہ اللہ ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔

عن جابر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۵، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۶)

حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیعت رضوان کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

خصوصًا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اگر کوئی شخص اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہو یا کسی قسم کی کدورت رکھتا ہو اسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پہ غور کرنا چاہیے۔

المساور الحمیری عن امہ قالت دخلت علی ام سلمۃ فسمعتہا تقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحب علیًا منافق ولا یبغضہ مومن۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۳)

مساور حمیری نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا میں ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں گئی تو ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے حضرت علی سے نہ منافق محبت کرے گا اور نہ مومن بغض رکھے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں سواد اعظم، مذہب اہل سنت والجماعت کا اب تک اجماعی مسلک رہا ہے کہ اصحاب کرام کی شان میں کسی قسم کی تخفیف وتنقیص اور ان کے آپس کے مشاجرات پر کسی پہ فضیلت کا دھبہ لگانا اپنی عاقبت خراب کرنی ہے۔

صحابی رسول کی پیروی ہمارے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم۔

میرے اصحاب ستارے کی طرح ہیں ان میں جن کی بھی تم اقتدار کروگے ہدایت یاب ہوگے۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ متوفی سن ۲۴۱ھ نے مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں خاموش رہنے کی تصریح فرمادی ہے۔ قطب الاقطاب حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما قتاله رضی الله عنه لطلحة والزبیر وعائشة ومعاویة فقد نص الامام احمد رحمة الله علیه علی الامساك عن ذلك وجمیع ما شجر بینهم من منازعة ومنافرة و خصومة لان الله تعالیٰ یزیل ذلك بینهم یوم القیامة کما قال عز و جل ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔

(غنیۃ الطالبین جلد اوّل صفحہ ۱۶۳)

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۷۷)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ کرنا حضرت طلحہ و زبیر و عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم سے تو امام احمد علیہ الرحمۃ نے اس سے (اس کے بارے میں نکتہ چینی کرنے سے) اور ان تمام لڑائی جھگڑوں سے جو ان کے درمیان تھے باز رہنے کی تصریح فرمادی ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن ان جھگڑوں کو ان کے درمیان سے دور کر دیگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لئے آپس میں بھائی کی طرح تختوں پر رُوبرو بیٹھے ہوں گے۔

پھر اس کے بعد صفحہ ۸۰ پر فرماتے ہیں۔

واتفق اهل السنه علی وجوب الکف عما شجر بینهم والامساك عن مساویهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسلیم امرهم الی الله عز وجل علی ما کان وجری من اختلاف علی وطلحة والزبیر وعائشة ومعاویة رضی الله عنهم علی ما قدمنا۔

اور اہل سنت نے ان کے درمیان جو مخاصمت تھی اس سے باز رہنے اور ان کی برائی بیان کرنے سے بچنے اور ان کے محاسن و فضائل کو ظاہر کرنے اور جو اختلاف حضرت علی و طلحہ و زبیر و عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم کا پیدا ہوا ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنے کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

عباسی صاحب نے گری پڑی روایتوں کا جو انبار لگایا ہے، کتاب و سنت کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے ایک خیال قائم کر لیا۔ اس کی تائید میں سب کچھ کر گزرے ہیں نہ ان کے بارے میں غور کیا اور نہ صحت و سقم پر کھنے کی کوشش کی۔ امام

عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

ولا التفات الی ما یذکرہ بعض اہل السیر فان ذالک لا یصح و ان صح فلہ تاویل صحیح وما احسن قال عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تلک دماء طہر اللہ تعالیٰ منہا سیوفنا فلا نخضب بہا السنتنا۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۷۷)

بعض اہل سیر جن باتوں کو ذکر کرتے ہیں یہ ناقابل توجہ ہیں کیونکہ صحیح نہیں ہیں اور اگر صحت ثابت بھی ہو جائے تو صحیح تاویل ہو جائے گی کتنی اچھی بات حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خون (جنگ جمل وصفین) سے ہماری تلواروں کو پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو اس سے آلودہ نہیں کریں گے۔

خلافت علی کی شرعی حیثیت

عباسی صاحب نے جو مقدمات قائم کئے اور ان سے جو نتیجہ نکالا کہ "حضرت علی کی بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی" اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً یہ خلافت قائم نہیں ہوئی کیونکہ اگر یہ مطلب لیا جائے کہ تمام امصار و اطراف کے مسلمان اس بیعت پہ جمع نہیں ہو سکے تو ظاہر ہے کہ اس کا کون منکر ہو سکتا ہے (خواہ موافق یا مخالف) کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر اثر لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی لہذا پہلی صورت کو متعین کرنے کے لئے آپ نے "ازالۃ الخفاء" کے حوالے سے شاہ ولی اللہ صاحب کا قول استشہاداً نقل کیا ہے۔

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد ونصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کرد۔

(ازالۃ الخفاء)

خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کو نصیحت کی غرض سے ان سے بیعت نہیں کی۔

ناظرین پہلے اس خلافت کی شرعی حیثیت سمجھ لیں، اس کے بعد عباسی صاحب کے حوالہ کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

اس خلافت کے شرعاً حق ہونے کی خبر خود سردرِ کائنات نے اشارۃً دیدی ہے۔

اخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ۔	ابوہریرہ نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرماتے۔ اے عمار تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔

(جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی کثرت روایت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد تواترت الروایات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لعمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ۔ روی ذالک عن عمار و عثمان و ابن مسعود و حذیفۃ و ابن عباس فی آخرین وقال الواقدی والذی اجمع علیہ قتل عمار انہ قتل مع علی بصفین سنۃ سبع وثلاثین وھو ابن (۹۳) سنۃ و دفن ھنالک بصفین۔ (تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۴۱۰)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایتوں سے مروی ہے کہ حضور نے عمار سے فرمایا تجھے باغی جماعت قتل کریگی۔ دوسرے لوگوں میں اس کی روایت حضرت عمار و عثمان و ابن مسعود و حذیفہ و ابن عباس سے کی گئی (رضی اللہ عنہم) اور واقدی نے کہا کہ حضرت عمار کے قتل کے بارے میں وہ چیز جس پر اجماع کیا گیا یہ ہے کہ ۹۳ سال کی عمر میں ۳۷ھ میں حضرت علی کی ساتھ میں صفین میں قتل ہوئے اور وہیں صفین میں دفن ہوئے۔

اس حدیث کے پیش نظر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انتخاب خلیفہ کا جو طریقہ اس بیعت خلافت سے پہلے رائج تھا وہی طریقہ شورای اس میں بھی اختیار کیا گیا تھا چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وکان الامام بالاجماع ابابکر ثم عمر بنص ابی بکر رضی اللہ عنہ علیہ ثم عثمان بنص عمر علیہ ثم علی بنص جماعۃ جعل الامر شوریٰ بینھم	اور بالاجماع امام حضرت ابوبکر صدیق تھے پھر حضرت عمر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے سے پھر حضرت عثمان حضرت عمر کے مقرر کرنے سے پھر حضرت علی اس جماعت کے

فانہ لم یستخلف احدا۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۵۵)	مقرر کرنے سے جس کے درمیان امر خلافت شوریٰ کیا گیا تھا کیونکہ حضرت عثمان نے کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

فالنبوۃ انقضت بوفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والخلافۃ التی لا سیف فیہا بمقتل عثمان والخلافۃ بشہادۃ علی کرم اللہ وجہہ وخلع الحسن رضی اللہ عنہ الی ان استقر امر معاویۃ (جلد ۲ ص۲۱۲)	پس نبوت ختم ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے سے اور وہ خلافت جس میں تلوار نہیں چلی حضرت عثمان کی شہادت سے اور خلافت ختم ہوگئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری سے یہاں تک کہ حضرت معاویہ کا امر ثابت ہوگیا۔

ان تصریحات کے بعد عباسی صاحب کے دعوے کی حقیقت سراب کی سی رہ جاتی ہے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ازالۃ الخفاء سے شاہ صاحب کا جو قول نقل کیا ہے اس میں آپ نے وہ خیانت کی ہے کہ دیانت وتقویٰ کے گلے پر کند چھری پھیر دی ہے اسی کو آپ نے ریسرچ کا نام دیا ہے۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں جب مولائے کائنات کی خلافت کا صحیح اور حق ہونا تحریر فرماتے ہیں تو ازالۃ الخفاء میں کیسے لکھ سکتے ہیں " خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد " کیونکہ دونوں میں تضاد ہے لہٰذا یہ آپ کی کرامت کا نتیجہ ہے جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خلافت سے اختلاف نہیں تھا مولائے کائنات کے مقابلہ میں اپنے آپ کسی طرح مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے ان کے اختلاف اور بیعت نہ کرنے کی بنیاد دوسری وجہ تھی (عباسی صاحب آپ تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

قال الکمال بن شریف ولیس المراد بما شجر بین علی ومعاویۃ المنازعۃ فی الامارۃ کما توھمتہ بعضھم انما المنازعۃ کانت بسبب تسلم قتلۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی عشیرتہ لیقتصوا منھم۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صے)

کمال بن شریف نے کہا کہ حضرت علی اور معاویہ کے درمیان جو نزاع تھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امارت میں نزاع تھی جیسا کہ بعض لوگوں کو اس کا وہم ہوگیا۔ صرف نزاع اس وجہ سے تھی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے خاندان والوں کو سپرد کر دیں تاکہ یہ لوگ قاتلین سے قصاص لیں۔

(مولانا محمد شفیع اعظمی)

تمت بالخیر

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
لیٹی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ رسول

تاریخِ کربلا

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا قاری محمد امین القادری رضوی مدظلہ العالی

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

افضل الصلوات علی سید السادات

فضائل درود

اردو ترجمہ

مولانا حکیم محمد اصغر صاحب فاروقی

مقدمہ ترتیب نو و حواشی

رانا خلیل احمد صاحب

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

شواهد النبوّۃ

لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ

حضرت العلّامہ نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی

ترجمہ

بشیر حسین ناظم۔ ایم اے

مقدمہ

علّامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

ناشر

مکتبہ نبویّہ ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور